رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

نگار

بسم اللہ

نگار

فہرست مضامین ستمبر ۱۹۲۹ء

ملاحظات ———— ۲
ہندی اور بابلی علم الاصنام کی مشابہت محمد نعیم الرحمن ایم اے ۹
بازگشت (فسانہ) مجنوں گورکھپوری۔ ۱۶
ہندوستان کیونکر فتح ہوا عبد القیوم رسا ۲۷
انارکسٹ (فسانہ) طالب باغپتی ۳۷
تصوف اسلام سید عبد المالک آروی ۴۳
چند گھنٹے ایک مولوی کے ساتھ ۴۹
فسانہ عجائب کے اجزاء ترکیبی "نقاد" ۵۷
مشرقی مآثر۔ فلکیات و ریاضی میں بدر اصلاحی ۶۷
ایک سیاح کی ڈایری ———— ۷۱
منظوقات ناطق ———— ۷۵
باب الاستفسار ———— ۸۲
ہوا کا ترانہ (نظم) طفیل احمد شمیمی بی، اے ۸۷
سیر کہسار (نظم) حافظ غازی پوری ۹۱
تربیت اطفال (نظم) محمود۔ اسرائیلی ۹۳
تحریص عمل (نظم) امین حزین ۹۳
غزلیات ———— ۹۴
معلومات ———— ۹۵-۹۶

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد (۱۶)　　ستمبر ۱۹۲۹ء　　شمار (۳)

ملاحظات

آپ کو معلوم ہے کہ مذہبیات عالم میں سب سے زیادہ مہتم بالشان رفیع المرتبت و جلیل القدر ساعت ابتدائے ظہور آدم تا ایندم کونسی ہے۔ وہ ۲۶ صفر ۱۳۴۸ھ یوم شنبہ مطابق ۳ اگست ۱۹۲۹ء وقت ۲ بجے دن کی ہے جبکہ آفتاب ۱۲ درجہ، ۲۰ دقیقہ، ۴۰ ثانیہ برایل بہ مغرب قایم تھا اور تمام نجوم سعد کا قران اعظم فرنگی محل لکھنؤ کی محلسرا پر نور افگن

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ

واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد

حضرت قبلہ مولانا قطب الدین عبد الوالی صاحب بذلہ فرنگی محلی سرپرست انجمن معید الاسلام نے دعوت خاص دی کہ اکناف ہند کے تمام ممتاز علمائے کرام اور اکابر رہنمایان قوم کا (ایڈیٹر ہمت کی زبان میں شاندار) اجتماع ہوا لامذہبی اور دہریت کے انسداد کی تدابیر پر "غور و مشورہ" کیا گیا اور اس طنطنہ و دبدبہ اور اس شوکت و جبروت کے ساتھ کہ

تزلزل در ایوان کسرے فتاد

راویان خجستہ اطوار و پیام رسانان ذی جاہ و وقار متفقہ طور پر یوں زمزمہ پرداز ہوتے ہیں کہ ٹھیک اسی وقت جبکہ یہ اجتماع فرنگی محل میں برپا ہو رہا تھا،

امریکہ میں بہ مقام واشنگٹن، ایران میں بمقام طہران، ترکی میں بہ مقام انگورا، روس میں بمقام لینن گراڈ، اطالیہ میں بمقام وٹیکن، اور نظیر آباد میں بمقام دفتر نگار سخت خطرناک زلزلہ کے آثار محسوس ہوئے، روشنی کے منارے بجھ گئے، مشینیں چلتے چلتے رک گئیں کلیساؤں کے گھنٹے زمین پر آ رہے، ماہی زمین نے کروٹ لی قطب اپنی جگہ سے ہٹتے ہٹتے رہ گیا اور کوہ طور پر بجلی چمک چمک کر

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ

جناب مولانا قطب الدین عبد الوالی صاحب نے اپنی "موثر و ایمان آفریں" انداز میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :-

لامذہبیت اور زندقہ کا سیلاب ہندوستان میں شبھر رہا ہے اور تحریروں و تقریروں میں جس طرح مذہب کو بازیگاہ بنایا جا رہا ہے وہ آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں، افغانستان ایران جس طرح آزاد ہو رہے ہیں وہ ایسی چیز نہیں ہے جس کا اثر ہندوستان پر نہ پڑے، اس لئے ضرورت ہے کہ علمائے کرام بہت جلد اپنے فرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ادا کرنے کے واسطے میدان عمل میں اتر آئیں۔

اس کے بعد متعدد "مولاناؤں" نے جنہیں بہ لحاظ حجم مولینا شوکت علی و بہ لحاظ اختصار مولانا آزاد سبحانی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، اپنی "قیمتی تقریروں" میں "فاضل مقرر" کی تائید کرتے ہوئے علمائے کرام کی مستعدی و فرض شناسی کی ضرورت کا اعتراف کیا اور اس طرح گویا اصولاً تحریک کی ضرورت پر مہر توثیق ثبت ہو گئی۔

اس کے بعد مولینا شہید انصاری نے بعض "بزرگان قوم" کے خطوط کا خلاصہ سنایا جنہوں نے اس مقصد سے اظہار ہمدردی کیا تھا اور پھر مختلف "علمائے کرام" کا ایمان افروز اور خلوص پرور بیان پیش ہوا جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ :-

مغربی تعلیم، یورپی معاشرت اور فرنگی مادہ پرستی کا ایک خطرناک اثر ہندوستان میں یہ ہوا کہ بہت سے لوگ آزادی مذہبی بلکہ لامذہبی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ارکان دین میں ترمیم کی ضرورت ہے کوئی سمجھتا ہے کہ دین کی مطلقاً ضرورت نہیں کسی کا خیال ہے کہ دین و علمائے مذہبی آزادی و ترقی کے لئے سنگ راہ ہیں اور جس قدر جلد ممکن ہو ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ غرض آزادی مذہبی مختلف صورتوں میں نمایاں ہو رہی ہے اور روز بروز اندر ہی اندر جدید نسل کے قلوب میں گھر کر رہی ہے، یہاں تک کہ بعض نام نہاد حاملان دین بھی اس سیلاب میں بہہ گئے ہیں، ہندوستان کے نوجوان مختلف جماعتوں کے نام سے منظم ہو رہے ہیں جو علی الاعلان کہتے ہیں کہ کسی مذہب کو زندہ نہ رہنے دو۔ اور قصر مذہب کی اینٹ سے اینٹ بجا دو، ان لوگوں نے مذہب کے خلاف عام بغاوت کا اعلان کر دیا ہے۔ اور نئے فتنہ کے احیاء و ابقا میں سرگرمی کا اظہار کر رہے ہیں، اس تہلکۂ عظیم سے اگرچہ دیگر اقوام کو بھی نقصان پہونچیگا، لیکن وہ قوم (مسلمان) سب سے زیادہ خسارہ میں رہیگی، جنکی قومیت سیاست اور وطنیت سب مذہب ہی ہے اور جنکی اخروی نجات کا انحصار اسلام ہی پر ہے، ان حالات اور انکے خوفناک نتائج کو محسوس فرما کر انجمن مؤید الاسلام فرنگی محل لکھنؤ نے ۲۰ و ۲۱ اگست ۱۹۲۹ء کو ہندوستان کے ہر طبقہ کے علماء کو مدعو کیا اور مقتدر اعیان ملت سے بھی مشورہ لیا گیا۔ اس جلسۂ مشاورت نے بالاتفاق مقتدر علماء کی ایک کمیٹی بنا دی جو اسباب لا مذہبی کے انسداد پر غور کریگی۔ سر دست ہم دستخط کنندگان یہ اعلان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ قوم مسلمین کی پناہ و حفاظت اور انکی دینی اور دنیوی نجات اسلام اور صرف اسلام ہی سے وابستگی پر منحصر ہے۔ آزادی یورپ کی

ترقی یافتہ قومیں آجتک نام نہاد مسیحیت کی پرستش کرتی ہیں۔ بائیس کروڑ ہندو برادران وطن اسکی سرفروشانہ جد و جہد کررہے ہیں کہ ویدک دھرم کی ہر رسم کی حفاظت کی جائے۔ ہمارا اسلام دین فطرت ہے اور خالق فطرت کی حکیمانہ تشریحات کا مقدس مجموعہ ہے وہ جہاں روحانیت و اخلاق کا بحر ذخار ہے وہاں سچی وطنیت اور سچی آزادی کا بھی علم بردار ہے، لہذا ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ وہ پکا اور سچا مسلمان بنے۔ اسلام ہی اسکی عقاید کی روح ہے اور وہی اسکی زندگی کے ہر لمحہ میں رہبر و راہ نما۔ نیز اوسے چاہئے کہ اپنے قول و فعل کی تمام طاقتوں سے لامذہبی اور الحاد کو پامال کرے اور خدا کے بندوں کو خدا کی بغاوت سے روک دے۔ اس بارہ میں داعی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے بہترین ہادی ہے، اور ہمارا فرض ہے کہ دین و دنیا کے اس محسن اعظم کی ہر سنت کو زندہ رکھیں اور خود زندہ رہیں۔

اس کے بعد بعض علمار کرام کی ایک کمیٹی بنائی گئی اور یہ ڈراما اس طرح ختم ہوا، کہ دستور العمل بنانے کے لئے مولانا آزاد سبحانی اور سید جالب کا انتخاب کیا گیا:۔

ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں!

یہانتک "اس اہم جلسہ" کی کارروائی کا بیان تھا جو ۳۰ اگست کو فرنگی محل میں لامذہبیت و دہریت کے انسداد کے لئے قایم ہوا، لیکن آئیے ساتھ ہی ساتھ "اس جلسہ" اور "ارکان جلسہ" کی حقیقت پر بھی اک نظر ڈال لیں، کیونکہ ممکن ہے یہ کہانی پھر دوبارہ آپکے سننے میں نہ آسکے۔

سب سے پہلا سوال ان جلسہ کرنے والوں سے یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپکو علمار کرام میں کس استحقاق سے شمار کرتے ہیں اور ایک عالم کی وہ کیا خصوصیات ہیں جن کا حامل وہ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔

کیا فرنگی محل کی سکونت، کیا دیوبند کا قیام، کیا درس نظامی کی چند کتابوں یا اس سے بھی زیادہ "یک خروار کتابوں" کا مطالعہ ایک شخص کو علمائے کرام میں شامل کر سکتا ہے؟ کیا عالم نام ہے صرف اس شخص کا جو بالکل مقلدانہ و غیر مجتہدانہ طور پر چند مسایل فقہیہ کا علم رکھتا ہو، کیا ایک عالم کا تشخص منحصر ہے محض اس امر پر کہ اسنے چند کتابیں حدیث کی پڑھ لی ہوں، کیا عالم کی پہچان یہی ہے کہ وہ عمامہ و عبا سے کبھی منفک نظر نہ آتا ہو، کیا عالم حقیقتاً وہی ہے جو صرف خوش بیان واعظ اور خوش الحانی سے مثنوی مولانا روم کے اشعار پڑھ سکتا ہو؟ کیا عالم اسکو کہتے ہیں جو اپنے آپکو مسجود دنیا سمجھے اور اپنے سوا سارے عالم کو حقیر و ذلیل۔ اگر واقعی ایک شخص انہیں خصوصیات کا حامل ہونے کے بعد عالم کہلائے جانے کا مستحق ہو سکتا ہے تو کس کے منہ میں زبان ہے کہ اس جلسہ کی اہمیت سے انکار کرے۔ لیکن اگر عالم کہتے ہیں نبض شناس فطرت کو، اصلاح ملک و قوم کے لئے تمام دنیاوی اغراض کو ترک کرکے ایثار و قربانی کا کلی درس دینے والے کو، اس صالحیت و صلاحیت کے حامل کو جس کے لئے وراثت ارض کا وعدہ خدائے قدوس نے کیا ہے، ان صلحار بے نفس کو جو سینوں کو بغض و حسد سے، دلوں کو نفاق و ریا سے پاک کرکے محض خالصۃً للہ ہدایات خداوندی پر عامل ہو کر دوسروں کے لئے دلیل راہ بنتے ہیں اور اگر عالم کی ذات عبارت ہے اس استقامت عمل، اس استواری عزم اور اس روحانیت اخلاق سے جس کا لازمی نتیجہ دنیا میں ہمیشہ ایک اور صرف ایک (وانتم الاعلون) ظاہر ہوا ہے، تو میں کہونگا کہ علمار کرام کے لئے یہ زیادہ موزوں ہوتا کہ وہ دوسروں کے ایمان کا جائزہ لینے کے

بجائے پہلے خود اپنے ہی اخلاق و اعمال کا احتساب کرتے اور دوسروں کی اصلاح پر متوجہ ہونیکے بجائے پہلے وہ اپنی ہی اصلاح سے فارغ ہوجاتے اور بجائے قال کے وہ صرف اپنا حال پیش کرتے کہ دنیا از خود انکی طرف جذب ہوجاتی

آج فرنگی محل میں علمائے کرام کی ایک جماعت ملک کے اندر دہریت و لامذہبیت کی اشاعت پر ماتم کرنے کے لئے فراہم ہوجاتی ہے، لیکن اس سے قبل کبھی اس کی توفیق اس کو نصیب نہیں ہوتی کہ وہ ضلالت و گمراہی کی تقسیم کرکے یہ متعین کرے کہ اگر دنیا لامذہبیت کی بلا میں گرفتار ہے تو وہ خود صراطِ مستقیم سے منحرف ہونے میں کس نوع کی گمراہی کا اپنے آپ کو مجرم قرار دیتی ہے

جہاں تک علان ونمائش کا تعلق ہے بیشک یہ اپنے آپ کو علمائے کرام کہنے والا گروہ بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ یقیناً وہ نماز میں زیادہ پڑھتا ہے، پیشانی پر اثر سجود کو بھی نمایاں کرلیتا ہے، صیام کے سلسلہ میں ہزاری روزہ بھی ترک نہیں کرتا اور جب حج کو جاتا ہے تو وہاں سے خاکِ شفا کی تسبیح اور آبِ زمزم بھی اپنے احباب و اعزہ کے لئے لاتا ہے۔ لیکن اگر ایمان و اسلام کا تعلق بطون سے ہے، اگر عبادات سے مقصود تزکیۂ نفس و اخلاق اور تصفیۂ قلب و روح ہے، تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ محشر میں ان علمائے کرام کیلئے کوئی علیحدہ صف قائم کیجائیگی

آج یہ "علمائے کرام" کا گروہ اس کا تو شاکی نظر آتا ہے کہ "لوگ مذہبی آزادی بلکہ لامذہبی کا شکار ہو رہے ہیں" لیکن خود اپنے گریبان میں منہ ڈالکر یہ غور کرنیکی توفیق کبھی نہیں ہوتی کہ "یہ آوردہ نشست" تو نہیں ہے، وہ زمانہ گیا جب ایک طرف "حق را بسجودے دنبی را بہ درودے" کا افسوں کارگر ہو جاتا تھا اور دوسری طرف دامِ امید پڑ ... اب دنیا ایک خاص اضطراب میں مبتلا ہے، علوم و فنون کی ترقی سے عقولِ انسانی ترقی یافتہ ہوکر مطالبہ کررہی ہیں کہ سب سے زیادہ مدعی صداقت مذہب، سب سے زیادہ ثبوت اپنے فطری ہونے کا دے اور علماء کی تنگ نظری، بیکسی و بیچارگی، تہی مائگی و ناداری کا یہ حال ہے کہ اگر انکے منقولات کے دفتر کو نظر انداز کردیا جائے تو پھر سوائے کافر کہدینے اور گالیاں دینے کے اور کوئی ذریعہ تعریب و دفاع ان کے پاس نہیں رہجاتا کیونکہ خود اپنے اندر کوئی قوت اخلاق و روح کی ایسی ہی نہیں جو دوسروں پر اثر ڈال سکے

جس وقت کسی گوشہ سے یہ صدا آجاتی ہے کہ "علما کا جلد سے جلد خاتمہ کردیا جائے کیونکہ وہ آزادی و ترقی کے لئے سنگ راہ ہیں" تو یہ اپنی گردن چھڑانے کے لئے بہت اچھلتا کودتا ہے، لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ جو چیز عملاً بیکار ہوجاتی ہے وہ اصولاً آپ ہی حذف ہوجایا کرتی ہے، اسکا خاتمہ تو اسیوقت ہوگیا جب اس نے دین کو ذریعہ رزق قرار دیا۔ خدمت دینی کا منصب خدا نے اسیوقت اس سے چھین لیا جب اس نے اپنے آپکو ایک بت کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا

وہ یہ زبان سے تو ضرور کہتا ہے کہ:۔

"ہمارا اسلام دین فطرت ہے، خالق فطرت کی حکیمانہ تشریح کا مقدس مجموعہ ہے، وہ سچی وطنیت اور سچی آزادی کا علمبردار ہے"

لیکن عمل کے لحاظ سے اسکی تعلیم یہی ہوتی ہے کہ اسلام نہ وطنیت کا حامی ہے نہ آزادی کا علمبردار، نہ اسمیں کوئی حکیمانہ تعلیم ہے اور نہ مصلحانہ تبلیغ، بلکہ وہ بالکل غیر فطری، غیر الٰہی، اور غیر مہذب مذہب ہے جو دنیا میں صرف خود غرضی اور نفس پرستی کی اشاعت کے لئے رونما ہوا

ایک عالم یہ ضرور کہتا ہے کہ:۔

"داعی اسلام رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے بہترین ہادی ہے"

لیکن نہ وہ اسوۂ حسنہ کے مفہوم سے واقف ہے اور نہ داعی اسلام کے اخلاق و عادات سے، انہیں اس قسم کے چند الفاظ محض گرمی سخن قائم رکھنے کے لئے یاد کر لئے ہیں، قلب و روح کی حرارت کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا یہ علمار تاریخ اسلام سے مطلق واقف نہیں اور کیا انہیں نہیں معلوم کہ جب عہد عباسیہ میں اسلام کو ایک خدائی و فطری مذہب کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا گیا اور دیگر ملل و مذاہب کے علمار و حکما کو اس کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کیگئی تو کتنے جدید مسایل بروئے کار آئے اور اس عہد کے علمائے متکلمین نے کس وسعت نظر اور مصلحت اندیشی سے کام لیا، اور کیونکر انہوں نے منقولات کو علیحدہ رکھکر صرف معقولات کی مدد سے فریق مخالف کو اسلام کا مداح بنالیا۔ پھر آج جبکہ عباسیہ کے وقت سے زیادہ علم کی روشنی پھیل چکی ہے، اسوقت سے کہیں زیادہ تنقید و تحقیق کے ذرایع لوگوں کے ہاتھ آ گئے ہیں، آپ کا اپنے منقولات کا دفتر لیکر بیٹھ جانا کیا فائدہ پہونچا سکتا ہے، اور اگر آپ یہ دعویٰ کریں کہ نہیں آپ معقولات میں بھی اپنے خصم کو ساکت کر سکتے ہیں، تو معاف فرمائیے میں اسکو سوائے "دخل در معقولات" کے اور کسی چیز سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپکے یہاں کے معقولات تو اب دفتر پارینہ ہیں اور معقولات جدیدہ کی آپ کو ہوا بھی نہیں لگی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسوقت کی جماعت علمار کرام بالکل ایک (FOSSIL) "متحجر" چیز ہے اور موجودہ کاروبار حیات میں اسکا وجود مایۂ اعتبار و بینش کی حیثیت تو رکھ سکتا ہے، لیکن اسے سرمایۂ حیات و زندگی نہیں کہہ سکتے

میں ان تمام "علمار کرام" سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اسوقت تک انہوں نے کونسی دینی خدمت انجام دی ہے؟ کیا حلال و حرام کے معمولی مسایل بتا دینا، کیا مساجد میں امامت کر لینا، کیا مجالس میلاد میں وعظ کہدینا، کیا رنگون و برما جا کر جاہل و احمق مسلمانوں سے خلافت و تبلیغ کی بے معنی تحریک کے لئے چندہ وصول کر لانا، کسی آریہ کی کتاب کا جواب لکھدینا، تقلید و عدم تقلید کے مسئلہ میں مناظرہ کر لینا، ایسی اہم خدمات ہیں جو ایک شخص کو علمار میں داخل کر سکتی ہیں؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر میں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان علمار کرام میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کو صحیح معنوں ہادی و مرشد یا عالم و فاضل کہہ سکیں

جہانتک علم ظاہر کا تعلق ہے ان کی بے مائگی کا یہ عالم ہے کہ سوائے ان چند دقیانوسی کتابوں کے جو انہوں نے کسی وقت مدرسہ میں پڑھلی ہیں اور جنکی صحت پر اب بھی انہیں ایسا ہی ایمان ہے جیسے اندھے کو اپنے زوال بینائی کا، انکو کچھ خبر نہیں کہ دنیا میں کتنے نئے علوم و فنون رونما ہو گئے ہیں اور عقول انسانی نے کسقدر ترقی کر لی ہے، نہ انکا مطالعہ وسیع، نہ انکی معلومات عامہ درست، نہ انکا ذہن ترقی یافتہ، نہ انکی عقل صحیح و پختہ، نہ ان میں بالغ نظری ہے نہ نکتہ رسی، نہ مصلحت اندیشی ہے نہ دیدہ وری، دوسری قوموں کے علوم و فنون سے واقف ہونا تو درکنار ان غریبوں کو خود اپنے یہاں کے علوم کی بھی خبر نہیں، یہانتک کہ اگر آج ان سے دریافت کیا جائے کہ اسوقت سب سے بہتر کتاب فن تنقید میں کونسی سمجھی جاتی ہے تو وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے، وہ اب بھی یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ جو ایک دو جن کتابیں انہوں نے پڑھلی ہیں، اس سے زیادہ علوم اسلامی کے حدود وسیع ہو نہیں سکتے، اور دور زمانہ کی رفتار سے اسقدر بیگانہ ہیں کہ اگر آج مصر کی جدید کتاب انکے سامنے رکھدی جائے تو وہ ایک صفحہ بھی اسکا نہ سمجھ سکیں گے اور حیران ہو جائینگے کہ یہ کونسی نئی زبان اسقدر جدید اصطلاحات کے ساتھ پیدا ہو گئی ہے۔ یہ ہے انکی عربی دانی کا حال، فارسی زبان چونکہ آتش پرستوں کی ہے اسلئے وہ اسے کیا حاصل کر سکتے ہیں، رہ گئی اردو، سو اسکے متعلق شاید وہ فخر کے ساتھ کہہ سکیں گے کہ اس میں کمال حاصل کرنا انکی شان کے منافی ہے مغربی علوم و فنون کا کیا ذکر، ان غریبوں کو تو انکے نام بھی نہیں معلوم

علم باطن جس کا تعلق یکسر اخلاق و روحانیت سے ہے، اس کا ذکر فضول ہے کیونکہ اس کا دعویٰ شاید انہیں بھی نہ ہوگا اور بجز اس کے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ لفظ فقیر کا اضافہ کرکے ایک ہلکی سی جسارت اس نمایش کی کریں اور زیادہ ان کے بس کی بات نہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دنیا انہیں خوب جانتی ہے۔ رہی اس گروہ کی قوت عمل سو اسکی مثالیں بھی کثرت سے موجود ہیں اور آگرہ کا وہ منظر سامنے ہے جب اس سے کہیں زیادہ جوش و قوت کے ساتھ مذہبی کانفرنس کی بنیاد ڈالی گئی تھی، لیکن اسکا دوسرا جلسہ ہونیکی نوبت اسوقت تک نہیں آئی۔

پھر جب حالت یہ ہے تو میں حیران ہوں کہ یہ اپنے منھ سے اپنے آپ کو بغیر کسی استحقاق بعید کے بھی "علماء کرام" کہنے والا گروہ (بقول صاحب) کن "حظوظ نفس" کے ماتحت اس جسارت پر آمادہ ہوا ہے اور دہریت و لامذہبیت کا کیا مقابلہ کرسکتا ہے، جبکہ وہ ابھی تک یہی نہیں سمجھ سکا کہ جسکو وہ "لامذہبیت" کے نام سے موسوم کرتا ہے حقیقتاً اسلام وہی ہے، اور موجودہ اضطراب حقیقتاً مذہب کے محو کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ انہیں علماء کرام کے بت توڑنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔

یہ لوگ بالکل غلط کہتے ہیں کہ اسوقت بیدینی اور لامذہبیت کے خیالات پھیلتے جارہے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اب علماء سوء کے عذاب کو اپنے اوپر زیادہ عرصہ تک مسلط نہیں رکھنا چاہتی اور اس کو مٹا دینے کے لئے آمادہ ہوگئی ہے اس لئے جو کچھ اس جلسہ میں بیان کیا گیا، بالکل خلاف حقیقت ہے اور صداقت سے یکسر دور، جو خوف انہیں اپنی ذات سے متعلق ہے اسے اسلام سے کیوں وابستہ کرتے ہیں۔ اور اگر اسلام عبارت انہیں کی ذات سے ہے تو پھر یقیناً "انہدام اسلام" ہی انسان کا فرض اولین قرار پائے گا۔

اس جلسہ کی کارروائی میں متعدد جملے ایسے نظر آتے ہیں جن سے انتہائی انہماک اور مستعدی کا اظہار ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جو کم ہمت آج فرنگی محل کی مجلس امیں کسی گئی ہے وہ داور حشر کے سامنے ہی کھلے تو کھلے لیکن میں اس کے اعتراف میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ

ہے کیا جو کس کے باندھئے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

گزشتہ دو ماہ کے اندر جو مطبوعات موصول ہوئے ہین، ان پر اس مہینے کے نگار مین ریویو نہین کرسکا، ماہ آیندہ مین اسکا امکان ہے لیکن انھین کتابون مین ایک چیز ایسی موصول ہوئی ہے جس کا ذکر مین جلد سے جلد کردینا چاہتا ہون اور وہ قانون مسعودی جلد چہارم کے ایک حصہ کا ترجمہ ہے جو نمونتاً مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی طرف سے بہ طلب آراء شایع کیا گیا ہے۔

قانون مسعودی، البیرونی کی نہایت معرکۃ الآرا تصنیف ریاضیات فلکی پر ہے جس کے ترجمہ کا خیال سب سے پہلے نو اب محمد اسحاق خان مرحوم کو پیدا ہوا تھا لیکن یہ ارادہ قوت سے فعل مین نہ آسکا۔

اب ہمارے فاضل دوست مسٹر محمد فاروق ام اس سی اس خدمت کے لئے منتخب ہوئے ہین انھون نے فی الحال صرف ۸ صفحات کا ترجمہ (بزبان انگریزی) معہ حواشی و استدراکات کے پیش کیا ہے اور موضوع کی دشواری کے لحاظ سے جس وقت اس کوشش پر نگاہ کیجاتی ہے تو بقول ہمارے ایک دوست کے فاروق صاحب کو بالکل "دیوتا" ماننا پڑتا ہے۔ انھون نے چار قدیم نسخون سے مقابلہ کرکے

اصل کتاب کو مرتب کیا ہے اور پھر اس کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ جو (اصطلاحات ریاضی کو علیحدہ کرنے کے بعد) بے انتہا صاف و سلیس ہے، ہر اس تشریح و تحشی کا اضافہ کیا ہے جو اس کتاب کو سریع الانتقال الی الذہن بنانے کے لئے ضروری تھا۔

ہمارے نزدیک جناب فاروقی کا یہ کارنامہ ان کی اس قوت کامنہ کا اعجاز ہے جس کا علم شاید انھیں بھی اس سے قبل نہ رہا ہوگا۔ ہمکو امید ہے کہ ارباب یونیورسٹی اب اس سلسلہ کو منقطع نہ ہونے دینگے اور فاضل مترجم کو ہر وہ آسانی فراہم کرینگے جو اس کام کو جلد انجام تک پہونچانے مین مفید و معاون ہو سکے۔ ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب کی عبارت بھی ایک مرتب کی تمام ذمہ داریون کے ساتھ درج کتاب کی گئی ہے اور اس طرح فاروق صاحب بیک وقت دو نہایت مشکل مگر بے انتہا ضروری خدمت علم انجام دے رہے ہین۔

اس اشاعت کا پہلا مضمون ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد نعیم الرحمان ام۔ اے کا ہے جو آیندہ ماہ مین غالباً ختم ہو جائے گا، تعارف و تقریب کی ضرورت نہین کیونکہ صاحب مضمون اور مضمون دونون خود آپ اپنی سفارش ہین

مجنون کا فسانہ ماہ آیندہ مین ختم ہو جائیگا، چونکہ مجنون کے اکثر افسانے ہارڈی کے مطالعہ کا نتیجہ ہوتے ہین اس لئے ان مین ایک خاص قسم کے دل دکھا دینے والی ٹریجڈی کا پایا جانا ضروری ہے۔ ہر چند وہ ہارڈی کی طرح خدا کو صرف اہرمن سمجھنے والے تو نہین ہین لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا سے کچھ زیادہ خوش بھی نہین ہین۔

انارکسٹ، ایچ۔ جی ویلس (عہد حاضر کی نہایت ہی مشہور انشا پرداز) کے ایک فسانہ کا ترجمہ ہے۔

جناب بدر اصلاحی کا مضمون مشرقی مآثر پر خوب ہے۔ فسانۂ عجائب اس ماہ مین ختم ہو گیا ناظرین نے اس مضمون کو پسند کیا اور نقاد کے تحقیق کی کافی داد دی لیکن مجھے کہیں کہیں اُن سے جادۂ اعتدال چھوڑ دینے کی شکایت ضرور ہے

تین مضمون اُن حضرات کے ہین جنھون نے اپنے نام کے اظہار کی اجازت نہین دی اور تینون مضمون چونکہ تنقیدی ہین اس کے لئے اظہار نام کی چندان ضرورت بھی نہ تھی۔

جناب ناطق کی غزل پر جو تنقیدی مضمون موصول ہوا تھا وہ کافی حذف کرنے کے بعد شایع کیا جا رہا ہے، اب بھی بعض مقامات کے رنگ لہجہ سے مجھے اختلاف ہے۔

آیندہ اشاعتون مین بعض نہایت ہی دلکش و مفید مضامین شایع ہونے والے ہین منجملہ اُن کے ایک کلام حزین پر تبصرہ ہے جو بہت کاوش سے لکھا گیا ہے، اس طرح مصحفی کی شاعری پر ایک صاحب نے جو یادگار مصحفی ہین ابسیط مضمون روانہ کیا ہے۔ مین نے بھی ایک افسانہ لکھا تھا جو اس ماہ مین نہ شایع ہو سکا آیندہ اشاعت مین درج ہوگا۔ ایک مختصر سا مضمون میرا حجاب کی شاعری پر آئندہ اشاعت مین درج ہوگا جو سلطنت اودھ کے عہد شباب کی ایک شاعرہ امیرزادی تھی اور حقیقتاً شعر کہتی تھی اسیطرح مولانا کیفی چریاکوٹی کا ایک عالمانہ مضمون مومن کی شاعری پر شایع ہوگا

ظفر کے متعلق جو حضرات مضامین لکھ رہے ہین ان کو یہ اطلاع دیدینا ضروری ہے کہ ستمبر بہت قریب ہے اور زیادہ سے زیادہ اکتوبر کے آخر تک ظفر نمبر کی کتابت شروع ہو جائے گی

نیاز

ہندی اور بابلی علم الاصنام کی مشابہت

متھیا دیو مالا، متھالوجی، علم الاصنام، خرافیات، وغیرہ جس نام سے چاہئے اُسے موسوم کیجئے) ایک جامع اصطلاح ہے اور اُن تمام قصون اور روایتون پر حاوی ہے جو دُنیا کی مختلف اقوام مین قدیم اور قدیم ترین زمانے مین رائج تھین اور جن پر وہ ایسا ہی راسخ اعتقاد رکھتے تھے جیسا آج ہم اپنی جدید سے جدید معلومات پر رکھتے ہین۔ اور زیادہ تفصیل سے یون کہا جاسکتا ہے کہ ان روایات مین آفرینش کی ابتدا، کائنات کی پیدائش، خدائی یا انسان سے بالاتر اشخاص کی پیدائش اور اُن کے اعمال اور افکار سے بحث ہوتی ہے کہ یہ حضرات کیونکر پیدا ہوئے، اُنھون نے کیا کیا کمالات حاصل کئے، کون کون سے کارہائے نمایان کئے، تمام بنی نوع انسان یا اپنے خاص فرقے اور قبیلے کی انھون نے کیا کیا خدمت کی، دُنیا کی حکومت مین انھون نے کیا حصہ لیا، انسان کے ساتھ اُن کی دوستی اور دشمنی کا کیا رنگ تھا، خود اُن کے آپس مین تعلقات کیا اور کیسے تھے، وغیرہ وغیرہ، دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی کی ابتدائی منزلون مین ایسی روایات اور خُرافات کا ذخیرہ رکھتی تھی۔ ان مین سے اکثر قومون کی متھیا دریافت کی جاچکی ہے اور جو باقی ہین اُن کے متعلق علم حاصل کرنے کی برابر کوشش کی جارہی ہے

مختلف ملکون اور قومون کی متھیا کے مطالعہ مین ایک نہایت دلچسپ بات جو فوراً ذہن مین آتی ہے یہ ہے کہ کئی کئی اقوام اور ممالک کے باشندون کے خیالات اور عقیدے آپس مین ایک دوسرے سے بہت کچھ مشابہ تھے۔ نہ صرف یہ کہ ایک ہی خاندان کی مختلف اقوام کے خیالات ایک ہی اسلوب اور نہج پر نظر آتے ہین، بلکہ مختلف خاندانون کے اور ایک دوسرے سے معقول فاصلے پر بسنے اور رہنے والی قومون کے خیالات بھی آپس مین مُشابہت رکھتے ہین، اس وقت ذیل کی سطرون مین بابل اور ہندوستان کی متھیا کی مشابہت دکھانا مقصود ہے۔ اس غرض سے مجھے جو جو روایات اور قصے ایسے مل گئے ہین جن مین بابل اور ہندوستان آپس مین شریک ہین، وہ قلمبند کردیئے ہین، ہندوستان کی قدیم عظمت اور جلال کے ثبوت کے لئے غالباً یہی چند مثالین فی الحال کافی ہونگی

لیکن قبل اس کے کہ بابلی اور ہندی علم الاصنام یا متھیا کی روایات کی مُشابہ تصویرون کو پیش کیا جائے یہ عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کا زمانہ (عام اس سے کہ وہ بابل کے متعلق ہو یا ہندوستان کے) معین کرنا نہایت دشوار ہے۔ اس ضمن مین صرف دو باتین کہی جاسکتی ہین۔ ایک تو یہ کہ ان روایات کا زمانہ غالباً تین اور چار ہزار سال قبل مسیح سے لے کر ایک ہزار اور پانچ سو سال قبل مسیح تک کا ہے، دوسرے یہ کہ اغلب امر یہ ہے کہ یہ روایات بابل سے ہندوستان پہنچی ہین، اب خواہ اُنھین آریا قوم وہان سے اپنے ساتھ لائی ہو (اور یہ امر آجکل مشترق علماء کے ہان زیر بحث ہے)، خواہ ہندی سوداگرون اور سیاحون کے

ذریعہ سے ہمارے ملک مین پہنچ گئی ہون۔ اور اس لحاظ سے غالباً ہندی کی ان روایتون کا زمانہ بابلی روایتون کے بعد آتا ہے۔

چونکہ زمانہ کا ذکر ہو رہا ہے، اس لئے سب سے پہلے اسی سے شروع کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ جُگ

ہندی (اور اسی طرح یونانی اور آئرلینڈی) متھیا مین دُنیا کی عُمر کو چار زمانون مین تقسیم کیا گیا ہے۔ چاندی (سفید) سونا، (زرد)، برنج (سُرخ) اور لوہا (سیاہ)، جن کو ہمارے ملک مین بالترتیب کرت جگ، ترتیت جگ، دواپر جگ اور کل جگ کہتے ہین۔ قدیم ہندی حساب سے ایک مہا جگ ...۳۲۰۰۰۰ (تینتالیس لاکھ بیس ہزار) برس کا ہوتا ہے اسی طرح اہل بابل کا عقیدہ تھا کہ اُن کے ہان "طوفان" سے پہلے دس بادشاہ راج کر چکے تھے اس تمام مدت کا مجموعہ ۱۲۰ (ایک سو بیس) "سروئی" ہوتا ہے، اور چونکہ ایک سروئی مین ۳۶۰۰ (تین ہزار چھ سو) برس ہوتے ہین، اس لئے ۱۲۰ سروئی ۴۳۲۰۰۰ (چار لاکھ بتیس ہزار) برس کے برابر ہوئی۔ اس رقم کو اگر دس سے ضرب دیا جائے تو وہی ہندی مہاجگ کے تینتالیس لاکھ بیس ہزار سال پیدا ہوتے ہین۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل اور ہندوستان دونون مین وقت اور جگہ (زمان و مکان) کا اندازہ کرنے کے لئے دس (۱۰) اور چھ (۶) کے ہندسون سے بہت کام لیا جاتا تھا، کیا عجب ہے کہ ہندی اور بابلی حساب کے طریقہ کی بنا، ایک ہی ہو، اور یہ امر بھی نہایت دلچسپ ہے کہ آجکل تمام دُنیا ایک ڈگری سے لے کر گھنٹہ تک (جو وقت کی پیمائش کے اُصولی ذریعے ہین) ۱۰×۶ (=۶۰) ہی کے حساب سے کام کر رہی ہے!

۲۔ برہما....

جس طرح ہندی متھیا مین (چھوٹے چھوٹے دیوتاؤن سے قطع نظر کر کے) تین بڑے خدا مانے گئے ہین، اسی طرح اہل بابل کے بھی تین بڑے خدا تھے۔ بابل کی خدائی تثلیث مین اَیَع، بعل، اَنلیل اور آنؐ کو بالکل وہی خدائی کاروبار سپرد تھے (بلکہ اب بھی ہین!)۔ وشنوجی کی طرح اَیَع بھی دُنیا کا پالنے پوسنے، زندہ سلامت رکھنے اور حفاظت کرنے والا تھا، شوجی کی مانند بعل اَنلیل کو مارنے اور غارت، برباد، ہلاک اور تباہ کرنے کی خدمت سپرد تھی، اور برہماجی کی طرح اَنُ دیوتا بھی سب کا پیدا کرنے والا اور سب کا باپ تھا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودی قوم کا ایک حصہ جب عرصہ تک ایک اکیلے "یہووا" کا نام سنتے سنتے اور جپتے جپتے تنگ آگیا تو اُس نے اُسے معزول کر کے پھر ایک مرتبہ باپ، بیٹا اور روح القدس کے نام سے اپنے پُرانے تین خداؤن کو زندہ کر کے بٹھا دیا اور اپنے اس کمال کی داد کو پاک و بے گناہ یسوع مسیح کے نام پر وقف کر دیا چنانچہ دُنیا کی انسانی آبادی کا ایک معتد بہ حصہ آج بھی ان کی داد دے رہا ہے۔ ملک اشوریا کا خدا اشور جگ دیوتا تھا، ہندوستان کے برہما کی طرح وہ بھی پرماتما اور پرمیشور تھا، سارے جہان کا خالق، نگہبان، محافظ اور ہلاک کرنے والا تھا آگ، پانی، زمین، ہوا، آسمان، سورج، چاند، ستارون اور بجلی کا بھی خدا تھا، گویا آنؐ اور اشور دہان کے برہما تھے

۳۔ اِندر

بابلی متھیا میں رمن دیوتا ہوا، گرج اور بجلی کا دیوتا تھا، وہ پانی برساتا، اناج پیدا کرتا اور باہم لوگوں میں فساد ڈالتا اور لڑائیاں کراتا تھا، وہ عموماً پہاڑوں پر رہتا تھا اور وہیں سے اپنے فرائض منصبی ادا کیا کرتا تھا، وہ مغرب سے آریا قوم کی رَو کے ساتھ چل کر پنجاب کے راستے ہمالیہ پہنچا اور وہیں قیام کیا۔ یہاں وہ "اندر" دیوتا کے نام سے مشہور ہوا۔ اندر دیوتا کے بھی بعینہ وہی سب کام ہیں جو بابل میں "رمن" کے سپرد تھے، وہ بابل میں "تموز" کے نام سے سردی اور آندھی کے، اور ہندوستان میں اندر کے نام سے خشک سالی کے دیوؤں کو قتل کرکے پانی برساتا اور اناج پیدا کرتا تھا، وہاں بابلی اور یہاں ہندوستانی اپنے اس ان داتا کو خوش رکھنے کے لئے انسانوں کی قربانیاں چڑھاتے (اور اس غرض کے لئے عموماً غیر ملکوں سے لوگوں کو قیدی بنا بنا کر لاتے) تھے اس خدمت کے معاوضہ میں ان داتا انھیں کھانے پینے کو دیتا تھا! بابل کے رمن کی طرح ہندوستانی اندر بھی ہر سال مر جاتا تھا۔ چنانچہ مہابھارت (آدی پرب) کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ پانڈو بھائی اصل میں پانچ پرانے اندر تھے جو اپنے اپنے وقت میں مر چکے تھے

بابل کا میروڈخ دیوتا اپنے باپ آیع کے مرنے کے بعد اژدھوں کے مارنے کی خدمت پر سرفراز ہوا تھا، اسی طرح ہندی اندر نے بھی اپنے باپ دیوس کو مار کر اس کے خدائی کاموں کو اپنے ذمے لے لیا تھا

بابلی دیوتا آیع ہندی اندر کی طرح مختلف قسم کی صنعت اور دستکاری میں کمال رکھتا تھا، اکثر ضرورت کے وقت آیع اپنے (خلیج فارس کے) گھر میں سے نکل کر اپنے بندوں کو نہریں کھودنا، کھیتی باڑی کرنا، دھات کا کام کرنا، مٹی کے برتن اور اینٹیں بنانا اور ان سے مندر اور عبادت گاہیں تیار کرنا سکھاتا تھا۔ اس نے اس دنیا کو بالکل اسی طرح بنایا تھا جس طرح کوئی معمار مکان بناتا ہے۔ اندر دیوتا نے بھی اپنے ہتھوڑے اور بسولے کے ذریعہ اسی طرح یہ تمام کائنات بنا کے رکھ دی تھی جیسے اس وقت کے ہمارے آریا آباء اجداد لکڑی کو کاٹ، چھیل اور جوڑ کر اپنے گھر بنایا کرتے تھے۔

ہندی اندر بیک وقت بابلی آیع، رمن اور میروڈخ کے برابر تھا!

۴۔ اگنی

ہندی متھیا میں اگنی آگ کا دیوتا ہے۔ ویدوں کے بھجنوں اور روایتوں میں اس کا نام اکثر پایا جاتا ہے، اس کی مورتی میں دو چہرے، تین ٹانگیں اور سات بازو ہوتے ہیں، اور عموماً اس کے ساتھ ایک مینڈھا ہوتا ہے۔ اسی طرح بابلی متھیا میں گرّو، گِشبار، گبل اور نُسکو آگ کے دیوتا تھے۔ ہندوستان نے ان چار کے مقابلے میں اپنے ایک ہی دیوتا کو دو چہرے اور سات ہاتھ دے رکھے تھے۔ اس لحاظ سے پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان بابل پر فوقیت لے گیا۔

لہ تاکہ اس کی قربانی کرکے اُسے جلا یا جا سکے۔ قربانی اور آگ اکثر قدیم قوموں کے ہاں لازم ملزوم چیزیں تھیں۔ ہندی مسلمان بھی بقرعید کے دن کباب کھانے کے بہت شوقین ہیں! مگر ایک بزرگ ایک مرتبہ فرماتے تھے کہ شب برات میں اگنی دیوتا بہت خوش رہتے ہیں

گو یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ بابلی بھی ہمارے آباؤ اجداد کی طرح اپنے ان دیوتاؤں کو زندگی اور رُوح کی بنا (جس کا ظہور جانداروں کے بدن کی گرمی میں پایا جاتا ہے) سمجھتے تھے یا نہیں، لیکن یہ ضرور ہے کہ قدیم (اور غالباً آجکل کے بھی) ہندوستانیوں کی طرح اُن کے ہاں بھی آگ کو جادو ٹونے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، مُردے کو جلاکر راکھ کر دینے کا قاعدہ جو آج تک ہندو گھرانوں میں باقی ہے، اُس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ قدیم آریا یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اُن کے مُردے آگ میں بھسم (یا یوں کہئے کہ اگنی دیوتا کی ذات والاصفات میں فنا۔ فنا فی النار) ہو کر براہ راست سورگ (جنت) میں پہنچ جاتے تھے، اسی طرح اہل بابل بھی کبھی کبھی اپنے مُردوں کو جلایا کرتے تھے، قدیم سمیاطیقی قوموں میں قربانی کے وقت جانوروں کو (اور بعض اوقات انسانوں کو بھی) آگ میں بھسم کر دینے کا عقیدہ اور عمل بالکل عام تھا، اہل بابل کا (مذکور بالا) نُسکو دیوتا ہمارے ملک کے اگنی دیوتا کی طرح دیوتاؤں کا دُوت (قاصد) بھی تھا۔ چنانچہ جب میرودخ دیوتا کو بابل کے تمام دیوتاؤں کی سرداری ملی ہے تو اُس نے نُسکو ہی کو آیع دیوتا کے پاس اس ترقی منصب کی خبر پہنچانے کیلئے قاصد بنا کر بھیجا تھا۔

اسی طرح بابلی دیوتا تمّوز (جس کے نام پر سُریانی تقویم کے ایک مہینہ کا نام بھی تموز ہے، جو ہمارے بیساکھ جیٹھ اور انگریزی جون جولائی کے وقت میں ہوتا ہے) اور اگنی دیوتا کی چند صفات آپس میں مشترک ہیں تموز دیوتا "شفا دینے والا" تھا، اگنی "سب طرح کی بیماریوں کو دور کرنے والا" تھا، تموز گھن گھرج آواز کا دیوتا تھا، اگنی بھی ایک مست سانڈ کی طرح چنگھاڑتا تھا، تموز اور اگنی دونوں بڑے دلاور اور جنگجو تھے، دونوں بڑے بڑے دیووں کو مارتے اور قتل کرتے تھے، اہل بابل کے ہاں تموز دیوتا کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ رات کے وقت آسمان کی رکھوالی کرے۔ اس حیثیت میں وہ لوگ اُسے بکرے کی صورت میں تصویر کرتے تھے، روایت ہے کہ ایک مرتبہ بابل میں طرح طرح کی بیماریوں کی وبا پھیلی، تو لوگوں نے عاجز آکر میرودخ دیوتا سے دُعا کی کہ انھیں ان وباؤں سے بچائے، اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے ایک بکرا لے کر اُسے خوب بنایا سنوارا اور میرودخ کے نام پر جنگل میں چھوڑ دیا[ف۱]۔ دیوتا نے بکرا قبول کیا، اور اپنے بندوں کو وبا سے نجات دی۔ وہ بکرا آسمان پر پہنچ کر ستارہ بن گیا (جسے آجکل کی اصطلاح میں قطب تارہ کہتے ہیں)۔ چنانچہ عربی زبان میں اب بھی اُس کو "جدی" (بکری کا بچہ) کہا جاتا ہے، اسی طرح ہندی ستھیا میں بھی اگنی دیوتا اور وَرُن دیوتا کا بکرے سے تعلق ہے۔ قدیم آریا لوگ اپنے مردوں کا کریاکرم کرتے وقت اس نیت سے بکرا قربان کیا کرتے تھے کہ اس طرح وہ دیوتاؤں کو خبر کردیں کہ ایک نئی رُوح اس دنیا سے اُس دنیا میں داخل ہو رہی ہے اور دیوتاؤں کی پناہ اور سرپرستی کی خواستگار ہے!۔

ف۱ ممکن ہے یہی بکرا ان بکروں کا مورثِ اعلیٰ ہو جن کو آج بھی ہمارے بعض دیندار بھائی خوب بنا سنوار کے بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں! پھر اُن بکروں سے نہ معلوم ان کا کیا رشتہ ہے جن کو ہمارے ملک کے جادوگر اور سیانے کالی مائی کے نام پر قربان کرکے اور ان کا خون پی کر اپنے معتقدین کے حق میں حیرت انگیز پیشگوئیاں کرتے ہیں؟

۵-سورج

بابل میں سورج دیوتا کا نام شمش (عربی شمس ـ سورج) تھا۔ وہ قسمت اور تقدیر کا مالک تھا، سب زندہ اور مردہ ہستیوں کا خدا تھا، وہ سب سے بڑا منصف، سب سے بڑا قانون ساز تھا، اور سب سے انصاف کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ بدکاری کا دشمن تھا، گناہ سے سخت نفرت رکھتا تھا، صدق اور خلوص کا عاشق تھا، اپنے پوجاریوں میں سچائی اور ایمانداری کی روح پھونکتا اور گناہگاروں کو سزا دیتا تھا، وہ دُنیا کو روشن کرتا تھا اور اُس کے نور کی شعاعیں دنیا کے ہر ہر کونے میں پہنچتی تھیں۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا اور ہر انسان کے خیالات کو جانتا اور پڑھ سکتا تھا۔ کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہ تھی۔ اُس کا ایک نام مِتر بھی تھا۔

ہمارے ملک کے ویدوں (خصوصاً رگ وید) میں مِتر دیوتا وُرُن کا ہمزاد تھا یہ دونوں انسان کی زندگی کی مدت مقرر کرتے اور اُس کی نگہبانی میں مصروف رہتے تھے۔ وہ سورج اور چاند کے راستوں اور عملوں کا اندازہ اور اُن کی تعین کرتے تھے، وہ ہوا، پانی اور موسم سب سے اُن کے ٹھیک ٹھیک وقت پر کام لیتے تھے۔ وہ ہر گھر میں ہر شخص کے نگہبان اور سرپرست تھے، اور گناہگاروں کو سزائیں دیتے تھے، وہ زمین پر پانی برساتے تھے۔

جس زمانے میں آریا لوگ پنجاب میں تھے اور وُرُن اور مِتر کی پوجا کرتے تھے وہ اپنے مُردوں کو جلاتے نہیں تھے بلکہ ''مٹی کے گھروں'' میں دفن کرتے تھے۔ یہی حال شمش کے پوجنے والوں کا بابل میں تھا، ہندوستان کے یَم دیوتا کی طرح بابل کا مِتر دیوتا بھی اِس دنیا سے جانے والی روحوں کا بادشاہ تھا، یہ روحیں جس ملک میں رہتی تھیں اُس میں پہنچنے کے لئے (بابلی اور ہندی دونوں عقیدوں کے مطابق) بڑے بڑے پہاڑوں اور ''موت کی ندی'' کو پار کرنا پڑتا تھا،

یہی مِتر ایران میں مہر (سورج) کے نام سے جلوہ گر تھا!

۶-طوفان

بابلی روایت کے مطابق پیر نپشتیم[1] نے گلگمیش[2] سے طوفان کا واقعہ جس طرح بیان کیا تھا وہ مختصراً یوں ہے۔ دریائے فرات کے کنارے شہر ئیک کے شہر میں سب دیوتاؤں کا مجمع ہوا اور انھوں نے متفق طور پر یہ طے کیا کہ زمین پر پانی کا ایک طوفان پہنچنا چاہیے۔ ایع[3] دیوتا نے (جو عقل کا خدا تھا) پیر نپشتیم کو (خواب میں) یہ ہدایت کی کہ چونکہ ہم سب دیوتاؤں کی یہ مرضی ہے کہ زمین پر ایک سخت طوفان بھیجیں، اس لئے تم اس سے خبردار رہو اور اُس میں ہلاک ہونے سے بچنے کے لئے اپنے مکان کو توڑ کر ایک بہت بڑی سی کشتی بنا لو، اور جب طوفان شروع ہو تو اپنے سارے خاندان اور اسباب وغیرہ کو لے کر اُس کے اندر ہو بیٹھنا اور دروازہ بند کر کے کشتی کو پانی کے بہاؤ پر چھوڑ دینا تاکہ تمھیں حفاظت اور احتیاط سے کسی مقام پر پہنچا دے۔ اس ہدایت کے

---

[1] پیر نپشتیم کی حیثیت بابلی روایت میں وہی ہے جو (اُس سے ماخوذ) یہودی روایت میں حضرت نوح (علیہ السلام) کی ہے۔ [2] گلگمیش کو گویا بابل کا بھیم یا ہنومان سمجھنا چاہئے۔ اس کا ذکر ابھی آئیگا۔ [3] یہ ''زبردستی''، ملاحظہ ہو، کیوں نہ ہو آخر دیوتا تھے، جو کچھ چاہتے تھے کرتے تھے!۔

مطابق پیر پنشتیم (جسے مین آئندہ اختصار کے خیال سے صرف پیر کہونگا) نے ایک بہت بڑی کشتی تیار کی، جو ایک سو بیس ہاتھ لانبی اور اسی قدر چوڑی تھی اور اُس مین اوپر نیچے چھ منزلین تھین - اس کشتی کے بننے مین پورے چھ دن لگ گئے، اور جب ساتوین دن تیار ہوگئی تو پیر نے اپنے گھر کے سب لوگون کو اُس مین بٹھا دیا، پھر اپنا تمام ساز و سامان، گھر کا کل اسباب، سونا چاندی زیور، نوکر چاکر، جانور اور کھانے کے لئے اناج غلہ وغیرہ، غرض یہ کہ سب کچھ اس کشتی کی چھ منزلون مین بھر دیا، اُسی روز رات کے وقت دیوتاؤن نے خوب پانی برسایا - پیر نے آیج دیوتا کی ہدایت کے مطابق سب دروازے بند کر لئے اور کشتی کو پانی کے بہاؤ پر چلنے دیا - پھر کیا تھا، بادل خوب گرجے اور کڑکے، بجلیان کوندین، زمین کے جتنے بھوت پریت اور دیو جن تھے سب کے سب زمین کے اندر سے اپنی اپنی مشعلین لیے کر باہر نکل آئے اور خوب جی کھول کے بادل اور بجلی کی مدد کی - ایک دن کے اندر ہی اندر یہ حال ہوگیا کہ ساری زمین پر سوا پانی کے اور کچھ نظر نہین آتا تھا! آخر اشتر دیوی کو زمین والون پر رحم آیا، اور اُس نے دیوتاؤن سے التجا کی کہ اب انسانون پر رحم کرو - تب کہین چھ دن اور چھ رات کے بعد پانی کم ہونا شروع ہوا - پیر نے یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ کہین کسی جگہ خشکی بھی نمودار ہوگئی ہے یا نہین، پہلے ایک فاختہ کو اڑایا، مگر اُسے کہین پاؤن رکھنے بھر کی جگہ نہ ملی اور وہ مایوس ہو کر پھر کشتی مین واپس آگئی - اس کے بعد پیر نے یکے بعد دیگرے ایک ابابیل کو، پھر ایک کوے کو اڑایا - ابابیل تو فاختہ کی طرح مایوس ہو کر واپس آگئی، مگر کوا ایسا گیا کہ پھر نہ آیا - اس کے غائب ہو جانے سے پیر کو یقین ہو گیا کہ کہین نہ کہین ضرور خشکی مین نکل آئی ہے، آخر جب ایک پہاڑ پر پہنچ کر اُس کی کشتی رکی، تو وہ خود بھی اُترا اور اپنے تمام انسان اور حیوان رفیقون کو بھی اُتارا - سب نے مل کر دیوتاؤن کا شکر ادا کیا اور اُن کے نام پر چڑھاوے چڑھائے[۱] - رفتہ رفتہ کچھ عرصہ کے بعد پیر کے خاندان مین پھر وہی اگلی سی چہل پہل ہو گئی، اور دُنیا کی آبادی مین اضافہ ہونے لگا -

ہندی متھیا کی روایات کے مطابق اہل ہندوستان کا عقیدہ ہے کہ دُنیا کی زندگی کے چار زمانے ہین کرت جگ، ترتیا جگ، دواپر جگ اور کلجگ - اور ہر جگ کے خاتمہ پر ایک بڑا سا طوفان آتا ہے جس سے دنیا فنا ہو جاتی ہے، یا یون کہئے کہ اسی طوفان کے اُٹھنے سے ایک جگ ختم ہوتا ہے اور اُس کے بعد سے نیا جگ قائم ہوتا اور نئی دنیا آباد ہوتی ہے - مہابھارت (بان پرب) مین ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دُنیا مین انسانون کی آبادی اتنی بڑھ گئی کہ زمین پر اُن کے رہنے سہنے اور چلنے پھرنے کی جگہ باقی نہین رہ گئی اور دھرتی ماتا کے جوڑ جوڑ مین درد ہونے لگا، تو وہ گھبرا کے نارائن جی (سب سے بڑے دیوتا) کے پاس گئین اور اپنی ساری بپتا سنا کر اُن کی کرپا اور دیا چاہی، نارائن نے اُن کا یہ دُکھ دُور کرنے کے لئے ایک بڑا سا طوفان بھیجا، جس سے سب انسان فنا ہو گئے - اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ انسانون کو پیدا کر کے زمین کو آباد کر دیا

[۱] اس استبدادی طرز عمل کے بعد یہ ستم ظریفی قابل داد ہے، وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا! -

مہابھارت کی اس روایت کے علاوہ طوفان کی ایک اور ہندی روایت "ست پت براہمن" مین درج ہے اور منوجی سے متعلق ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز صبح کو جب منوجی نے نہانے کے لئے پانی مانگا تو اُس مین ایک چھوٹی سی مچھلی تھی، جس نے اُن کے ہاتھ مین بیٹھ کے باتین شروع کین اور کہا کہ ایک طوفان آنے والا ہے اور مین اس شرط سے تمھین اس سے بچانے کا وعدہ کرتی ہون کہ تم میری اس طرح حفاظت کرو کہ پہلے مجھے ایک چھوٹی سی گھڑیا مین رکھو، پھر ایک تالاب مین رکھو اور جب مین اتنی بڑی ہو جاؤن کہ اس تالاب مین نہ سما سکون تو مجھے احتیاط سے سمندر مین چھوڑ دو۔ منوجی نے اُس کی حفاظت کا وعدہ کیا، اور بڑی سی ناؤ بنا کے اُس مین ہو بیٹھے۔ کشتی کے تیار ہونے تک وہ مچھلی بڑھتے بڑھتے اتنی بڑی ہو گئی کہ تالاب مین نہین سماتی تھی تب منوجی نے اُسے سمندر مین ڈالدیا مچھلی کی پیشگوئی کے مطابق ایک زبردست طوفان آیا اور اُس نے دنیا کے سب جانداروں کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ منوجی کی ناؤ اس سراسیمگی کے عالم مین ڈگر ڈگر کرتی پھرتی تھی کہ اُن کی وہی مچھلی اُن کو سہارا دینے کو آ موجود ہوئی۔ منوجی نے اپنی ناؤ کو اُس کے سر سے باندھ دیا، اور اُس نے اُسے لے جا کر اُتر طرف کے (غالباً ہمالیہ) پہاڑون پر رکھ دیا۔ منوجی وہان اُتر گئے اور جیسے جیسے پانی ہٹتا اور کم ہوتا گیا وہ بھی نیچے کو آتے گئے۔ جب میدان مین پہنچ گئے تو انھون نے دیوتاؤن کے نام پر چڑھاوے چڑھائے اور قربانیان کین دیوتاؤن کے دل بھی آخر پسیج گئے اور انھون نے اپنی دیا سے دھرتی کو پھر نئے سرے سے آباد کر دیا۔

بھاگوت پران مین طوفان کا قصہ یون لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب برہماجی سو رہے تھے ایک راکھشس سارے وید چرا کر لے گیا ہری دیوتا ایک مچھلی کا بھیس بھر کے راجا ستیاورت کے پاس گئے، جو صرف پانی پی کے زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ یہ مچھلی (منوجی کی مچھلی کی طرح) بڑھتی رہی یہان تک کہ بیس لاکھ میل لانبی ہو گئی۔ راجا ستیاورت نے طوفان سے بچنے کے لئے ایک بڑی سی ناؤ بنائی (یا اُسے کہین سے مل گئی) جس مین وہ بہت سے برہمنون کو ہمراہ لے کر داخل ہو گیا۔ جب راجا نے برہمنون کی ہدایت سے دیوتاؤن کی تعریف کے بھجن گائے، تب کہین اُسے اس آفت سے خلاصی کی صورت نظر آئی۔ ہری دیوتا نے اُس راکھشس کو قتل کر دیا اور اُس سے سب وید جو وہ چرا لے گیا تھا چھین لئے اور ستیاورت کو اُس کی تپسیا اور بھجن گانے کے انعام مین ساتوان منو بنا دیا۔

(باقی)

"محمد نعیم الرحمن" ام۔اے

تصویر زیب النسا بیگم

جو دربار عالمگیری کی ایک بے مثل مصورہ نادرہ کی قلمکاری ہے اور بعد تحقیق و تنقید بسیار اس کی صحت کی توثیق ہو چکی ہے یہ تصویر تین خوشنما رنگ سے طیار کی گئی ہے اور ۲۳ء کے نگار مین شایع ہو چکی ہے قیمت معہ محصول (۸/)

"مینیجر نگار"

تصویر رقاصہ

بنگال کے مشہور نقاش و مصور مزمدار کی ایک بہترین تصویر جو حضرت نیاز کے مشہور مضمون رقاصہ کے گجراتی ترجمہ کے ساتھ کلکتہ کے مشہور گجراتی رسالہ نوچیتن مین شایع ہوئی تھی۔

قیمت .... (۴/)

"مینیجر نگار"

بازگشت

(بہ سلسلۂ ما سبق)

(۱۰)

دوسرے دن شام کو ممتاز دکان سے کسی قدر دیر کرکے آیا۔ ادریس خلاف معمول گھر پر موجود نہ تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کہین سیر کو گیا ہے۔ آج یہ پہلی بار ادریس بغیر ممتاز کو ساتھ لئے سیر کے لئے نکل گیا تھا۔ ممتاز اس سیرگاہ کو جانتا تھا۔ اسکی زبان سے اضطراری طور پر نکل گیا

نئے فتنون مین اب چرخ کہن کی آزمائش ہے

یہ کہکر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ اسدن رات کو پھر نہ وہ ادریس سے ملنے گیا اور نہ ادریس نے اسکو بلایا۔ مگر وہ تمام رات متفکر رہا

ادریس قصداً ممتاز سے پہلو بچا کر نکل گیا تھا۔ اور اسکے قدم بے اختیار اسکو تیواری پور کی سمت لئے جا رہے تھے۔ آج وہ عمر مین پہلی بار ایسے ناوقت پر بستی سے گذر رہا تھا لیکن اپنے خیالات مین کچھ اس طرح گم تھا کہ اسکو اسکا مطلق احساس نہ ہوا جنگل سے باہر نکل کر اسکی نگاہین سب سے پہلے اس طرف کو اٹھین جہان کل اسنے مریم کو دیکھا تھا۔ مریم وہان نہ تھی۔ ادریس کی مایوسی دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ اپنے دل مین ایک ایسی گرانی محسوس کرنے لگا جسکو برداشت نہین کیا جا سکتا۔ اس گرانی کو لئے ہوئے پلٹنا چاہتا تھا کہ ایک طرف سے ایک لطیف و نازک آہ سنائی دی۔ آہ مین ایک کیفیت تھی جسکو گرد و پیش سے خاص مناسبت تھی۔ ادریس کی نظر اٹھ گئی۔ مریم دریا سے کچھ فاصلہ پر جنگل سے قریب ایک ٹیلہ پر بیٹھی تھی۔ اسنے ادریس کو دیکھ لیا تھا۔ ادریس نے جب اسکو دیکھا تو اسکی نگاہین جھک چکی تھین وہ ادریس سے زیادہ دور نہ تھی

ادریس دم بخود ہو کر اسکو دیکھنے لگا۔ مریم آنکھین نیچی کئے بیٹھی رہی۔ رہ رہ کر اسکے منہ سے دہیمی دہیمی آہ نکل رہی تھی جسکے معنی ادریس سمجھ نہ سکا۔ ایسی بھیانک تنہائی مین رات کی بلاؤن سے مریم کی بے پروائی اس بات کی دلیل تھی کہ اسکو دنیا مین کسی چیز کا ڈر نہین ہے۔

ہوا کے ہلکے جھونکون مین ترنم تھا کہا جا سکتا ہے کہ جنگل کی روحین اپنی زبان مین باتین کر رہی تھین اور مریم بھی انکی گفتگو مین شریک تھی اسکی آہون کا سلسلہ بدستور قائم تھا۔ اسکی صورت پر یاس و حرمان کا رنگ چھایا ہوا تھا جسکو شام کے دھندلکے نے اور بھی بڑھا دیا تھا۔ ادریس پتھر کی مورت بنا ہوا اسکو دیکھ رہا تھا اسکو یہ بھی خیال نہ تھا کہ اگر کسی نے اسکو اس حالت مین دیکھ لیا تو کیا کہیگا۔ مریم بھی کبھی کبھی ایک غلط انداز نگاہ ادریس پر ڈال لیتی تھی۔ ادریس کے دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ وہ اسکو اپنی کنپٹی کی رگون مین محسوس کر رہا تھا۔ اسکا دل اس "دوشیزۂ صحرا" سے ہم کلام ہونے کے لئے تڑپ رہا تھا مگر اسنے اپنے اندر اتنی جرأت نہ پائی۔

رات اپنا جادو جگا رہی تھی۔ اندھیرا آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ خواب کیطرف مائل تھا ہر چیز پر ایک ہیبت و جلال کا رنگ پھر رہا تھا۔ پرندے بسیرا لے رہے تھے۔ شب بیدار جانورون نے اپنی گشت شروع کر دی تھی۔ اور ادریس اور مریم نے اپنی اپنی

جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ مریم کا گھر تو خیر قریب تھا مگر ادریس اپنے گھر سے اسقدر دور تھا اور راستہ اسقدر ہولناک، کہ ایک ہوش و حواس والے آدمی کے دلمین محض اسکے خیال سے کپکپی پیدا ہو جاتی لیکن ادریس بر خود غلط اتنا تھا کہ اسکو اسوقت مریم کے سوا ہر چیز اسکے احاطۂ شعور سے نکل گئی تھی

تھوڑی دیر بعد مریم نے حرکت کی اور ٹیلے سے اتر آئی گویا ابتک وہ اسی پر اسرار تاریکی کا انتظار کر رہی تھی، ادریس کا دل اس زور سے دھڑکنے لگا کہ اسکے سارے جسم مین ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا اور وہ اسی جگہ بیٹھ گیا۔ اب مریم کی آنکھین ادریس پر جمی ہوئی تھین۔ وہ ادریس کے پاس آئی اور پوچھا "آپ کون ہین اور کہان جانا چاہتے ہین؟ آپ تو صورت سے بیمار معلوم ہوتے ہین

ادریس کی زبان سے ایک حرف نہ نکلا۔ وہ مریم کا منھ تکتا رہا۔ مریم اپنے اعصاب مین ایک لہر سی محسوس کرنے لگی وہ ادریس کی حالت کا اتنی دیر مین بہت کچھ صحیح اندازہ لگا چکی تھی۔ اُسنے بڑھکر ادریس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور پوچھا "آپکو بخار تو نہین ہے؟ ادریس مین اب مقاومت کی تاب نہ تھی۔ وہ گھبراکر اُٹھ کھڑا ہوا اور چاہا کہ جلدی سے بھاگ کر مریم سے الگ ہو جائے اور اپنے گھر کا راستہ لے۔ مریم اسکی نیت سمجھ گئی۔ اُسنے ادریس کا ہاتھ تھام کر کہا "ٹھہرئے مین آپکو یون نہین جانے دونگی۔ آپ بتا دیجئے کہ آپکو کیا ہوا ہے" ادریس بے دست و پا ہو کر رُک گیا۔ مریم کا حکم اسوقت ایک مالکہ کے حکم سے کم نہ تھا، اور اس حکم مین نہ جانے کونسی قوت تھی جسنے ادریس کے رگ و پے مین ایک جوش پیدا کر دیا۔ اسکی بیزبانی دور ہوگئی اور اب وہ اس قابل تھا کہ اپنی زبان سے شرح آرزو کر سکے

اُسنے مریم کو پیار کی نگاہ سے دیکھکر کہا "کیا بتاؤن مجھکو کیا ہوا ہے۔ وہی ہوا ہے جو ایک بار مجھکو غارت کر چکا ہے۔ مین سمجھا تھا کہ اب اس بلا سے مین ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا ہون۔ آہ مجھکو اپنی طبیعت کا کتنا غلط اندازہ تھا!

مریم پھر کہا "آخر کچھ بتائیے تو وہ کونسی بلا ہے؟"

ادریس نے بیساختہ مریم کے دونون ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے لئے اور کہا "مین دو دن کے اندر تمکو بری طرح چاہنے لگا ہون مین نے کل ساری رات ٹہل ٹہل کر کاٹی ہے۔ رہ رہ کر تمھارے خیال کو دل اور تمھاری صورت کو آنکھون کے سامنے سے ہٹانا چاہتا تھا مگر آخر کار اپنا چاہا کچھ نہ ہوا اور آج مین پاگلون کی طرح یہان تمکو کھڑا اتنی دیر سے دیکھ رہا ہون اور جی نہین بھرتا"

مریم نے اپنے تیور سے بغیر کسی قسم کی حیرت یا سراسیمگی کا اظہار کئے ہوئے پوچھا "آپنے مجھکو اس سے پہلے کب دیکھا تھا؟

ادریس نے کل کی سرگذشت بیان کر دی اور پھر رابعہ کے ساتھ اپنی ناکام محبت کا واقعہ بھی من و عن بیان کر کے کہا "مریم شاید میرے مقدر مین یہی ہے کہ مین محبت کی آگ مین پھنکتا رہون۔ مین نے کل تمکو ایک نظر دیکھا اور دیکھتے دیکھتے تمھارا ہو کر رہ گیا۔ دیکھو اسکا انجام کیا ہوتا ہے!"

مریم کو معلوم ہو گیا کہ وہ بلا کسی قسم کی جد و جہد یا ریشہ دوانی کے اپنی منہ مانگی مراد پا چکی ہے اسلئے اُسنے فوراً تکلف

اور اجنبیت کا پردہ ہٹا دیا اور ایک آہ کرکے کہا "تو آپ اسقدر ہراسان کیون ہوتے ہین؟ محبت تو مزے کی چیز ہے۔ کم از کم مجھکو تو اسمین بڑا مزہ مل رہا ہے مین آپ سے پہلے یہ چوٹ کھا چکی ہون۔ آپ میری صورت دیکھ کر بے قابو ہو گئے۔ مین تو آپ کا نام سنکر تڑپنے لگی تھی۔ اللہ اللہ اسکے بعد مین نے آپکی صورت دیکھنے کے لئے کیا کیا نہین کیا۔ آپ آج صرف دو تین گھنٹون تک دیکھتے رہے ہین۔ اور مین بشن گڈھ کے میلے کے دن صبح سے شام تک آپکی صورت دیکھتی رہی ہون" مریم نے بھی اپنی داستان سنا دی اور پھر کہنے لگی "وہ چاہت میری طرف سے شروع ہوئی اور یہ میری چاہت کا اثر ہے جسنے آپکو یون بے چین کر رکھا ہے اور یہ میری چاہت کا ثبوت ہے" مریم نے ادریس کا منہ چوم لیا۔ ادریس مبہوت ہو گیا۔ اسکو اپنے حواس پر اعتماد نہین رہا۔ اسکو ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ خواب مین ہے اور یہ سب کچھ خواب مین ہو رہا ہے۔

دونون طرف کی آگ برابر تھی۔ مریم اور ادریس ایک دوسرے کے ساتھ جیسا اس ایک رات مین کامیاب ہوئے شاید دو چاہنے والے ساری عمر گریۂ تمنا مین گذار دینے کے بعد بھی نہ ہوتے ہون۔

(۱۱)

دن گذرتے دیر نہین لگتی۔ پورے پانچ مہینے گذر گئے اور ادریس آنے والی پیچیدگیون سے بے خبر مریم کے ساتھ روزانہ شام کے تین چار گھنٹے خود فراموشی کے عالم مین بسر کرتا رہا۔ محبت کے تیور چھپنے نہین۔ ادریس کے چلن سے سب واقف ہو گئے اور رفتہ رفتہ وہ لوگون کی نظرون مین گر گیا۔ اور یہ سب مریم کی بدولت۔ اچھے بُرے کا واقعی کوئی صحیح معیار ہے یا نہین؟ اخلاقیات کے اس مسئلہ سے یہان بحث نہین۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا مین وہ معیار رائج نہین۔ دنیا والے جب کسی چیز کو اپنے کوس کی نہین پاتے یا اسکو اپنے توقعات کے خلاف پاتے ہین تو اسکو بُرا سمجھنے لگتے ہین۔ ادریس کی نئی زندگی لوگون کے توقعات کے خلاف تھی اسلئے قطعاً بُری تھی۔

ادریس نے سکینہ کو جس کوفت مین مبتلا کر دیا تھا اسکو اتنے دنون وہ ضبط کئے بیٹھی رہی۔ اسکی مایوسیون کی کوئی حد نہ تھی لیکن ابھی اسکو امید تھی اور قوی امید تھی کہ ادریس خود بخود پھر راہ راست پر آجائیگا۔ آخرکار یہ امید بھی موہوم ثابت ہوئی۔ مجبوراً سکینہ نے ایک دن جبکہ ادریس دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا اس ذکر کو چھیڑ کر کہا "ادریس تمکو سوجھی کیا ہے؟ کوئی اس طرح بھی اندھا بھی ہوتا ہے؟ آخر مریم کہانکی بکاؤلی ہے جو تم اسکے پیچھے یون باؤلے ہو رہے ہو؟ ایک آبرو باختہ ہرجائی کے ہاتھون بِک کر خاندان کا نام کیون ڈبوتے ہو؟ میری اُمیدون کا سارا دارومدار تم پر تھا۔ اُف کیسے کیسے ارمان میرے دل مین تھے! اُن کا پورا ہونا تو درکنار مین دیکھتی ہون کہ تم اُلٹے میرا مُنہ کالا کر رہے ہو۔ خدا کو مانو۔ ہوش مین آؤ۔ دیکھو دنیا نے تم کو کس عزت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا ہے۔ کم از کم اسکا تو پاس کرو۔ آج دو روز ہوئے فیض آباد سے خط آیا ہے۔ مین نے مناسب موقع نہ پاکر تم سے ذکر نہین کیا۔ میرے بھائی جنھون نے ابتک اپنی بھکارن بہن کی بات بھی نہین پوچھی تھی اب چاہتے ہین کہ تمکو اپنی دامادی مین لے لین۔ یہ صرف اسلئے کہ تم ہونہار ثابت ہوئے اور تمھاری لیاقت نے تمھاری مفلسی کے عیب پر

پردہ ڈال دیا ہے۔ شاہدہ کو مین نے بچپن مین دیکھا ہے۔ صورت شکل والی ہے اور تمھارے مُنہ لائق ہے۔ لیکن مین بھائی سے کیا کہون اور کس برتے پر کہون؟ تم اپنی روش بدلو تو انکو اس نسبت کی منظوری کی اطلاع دیدون،،

ادریس سر جھکائے ماں کی جھڑکیاں سنتا رہا۔ اسکے بعد اسنے اپنے کو مجسم سنجیدگی بناکر جواب دیا " امان مین نے آجتک تم سے اس بارے مین ایک حرف اسلئے نہین کہا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ تمکو میری باتون سے کوئی دکھ نہ پہنچ جائے۔ لیکن اب تمنے خود میری دُکھتی ہوئی رگ کو چھیڑا ہے۔ اسلئے اب میرا فیصلہ بھی سُن لو اور اس فیصلہ کو اٹل سمجھو۔ رابعہ سے بدمزہ ہونیکے بعد مین نے قسم کھائی تھی کہ اب کسی عورت سے کوئی سروکار نہ رکھونگا اور اپنی تمام عمر تجرد مین بسر کرونگا مگر ارادے بہ حیثیت ارادون کے پورے نہین ہوتے۔ میری زندگی نے ایک دوسری کروٹ لی۔ مجھے اس مریم سے دلبستگی پیدا ہوگئی۔ تم نے آج اچھی طرح اپنے دل کا غبار نکال لیا اور مریم کو جو جی مین آیا کہہ ڈالا اور مین نے چپ چاپ سُن لیا۔ لیکن اب مین کہے دیتا ہون کہ آئندہ اسکی شان مین ایسے تبرے سننے کے لئے تیار نہ ہونگا۔ تم جو چاہو سمجھو۔ مین مریم کو اپنے حق مین سیتا سمجھتا ہون اور اسکو اپنی تمام عمر کا ساتھی بنانا چاہتا ہون۔ مجھے ٹھیک معلوم نہین کہ زمانہ کی ناساز کاریون نے تم پر کیا اثر ڈالا ہے لیکن مین اپنی ذات سے زندگی کے ہاتھون بُری طرح مٹ چکا ہون اور اب دنیا کے رسم ورواج اور تکلف وتصنع کی تاب نہین لاسکتا۔ مریم ہرجائی ہے تو ہوا کرے۔ شیخ سید نہین تو نہ ہو۔ مین اسکو دنیا کی شریف زادیون پر ترجیح دیتا ہون اور مجھکو یقین ہو گیا ہے کہ اگر اب مین کسیکے ساتھ خوش رہ سکتا ہون تو مریم کے ساتھ۔ تم فیض آباد میرا صاف انکار لکھ بھیجو۔

سکینہ کا پیمانہ صبر پہلے سے لبریز تھا۔ بیٹے کی اس صاف گوئی نے اسکو چھلکا دیا۔ اُسکا چہرہ تمتما اُٹھا۔ آج وہ ایک دوسری سکینہ تھی جس ماں نے ابتک ادریس سے کبھی سختی یا ترشی کے ساتھ بات بھی نہین کی تھی آج وہ غضبناک تھی۔ ادریس کا فیصلہ سنکر اُسنے بھی اپنا مختصر فیصلہ سنا دیا " مین اس قحبہ کا نام آئندہ پھر کبھی سننا گوارا نہین کرسکتی اگر تمکو اپنے ارادہ سے باز نہین آنا ہے تو آج سے مجھے اپنی صورت نہ دکھانا،،

یہ سنکر ادریس کے تیور بدل گئے۔ اسکی صورت سے جلال وجبروت ٹپکنے لگا۔ آج وہ دبی ہوئی قوت کام کر رہی تھی جسنے اسکو زندگی کی تلخیون کو شربت کی طرح پی لینے کے قابل بنا دیا تھا اور رابعہ کو یکدم خاطر انداز کرکے یکسوئی کے ساتھ علمی مشاغل مین منہمک ہوگیا تھا۔ ادریس نے سنگدلی اور بے مہری کے ساتھ ماں کو جواب دیا " بہتر ہے،، اور فوراً اُٹھکر باہر چلا گیا اور پھر ماں کو اپنی صورت نہین دکھائی۔

بات کی بات مین ادریس کو ماں سے نفرت ہوگئی۔ اسکو یہ یقین ہو گیا کہ دنیا کے رسوم وقیود نے نہ صرف سکینہ کی آنکھون پر بلکہ اسکے دل پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔ اور وہ ان بندشون پر اپنے بیٹے کی مسرتون کو قربان کردینا چاہتی ہے۔

جسوقت ادریس ماں سے کبیدہ ہوکر باہر آیا تو ممتاز کو انتظار کرتا ہوا پایا جب سے ادریس مریم مین محو ہوا

ممتاز کو رام نگر مین سونیکی نوبت نہیں آئی ادریس نے اسکو اپنے ساتھ سونیکے لئے بلانا چھوڑ دیا تھا - اب ادریس کو اپنی بیجوابیون مین لذت ملنے لگی تھی اور وہ تنہا رہنا چاہتا تھا۔ ممتاز سے بظاہر اب بھی وہی لگاؤ تھا لیکن حقیقتاً اب ادریس کی ساری گرمجوشی سارا تپاک دوسرے مرکز کی طرف مائل ہو چکا تھا - ممتاز کے ساتھ جو کچھ گفت و شنید ہوتی وہ زیادہ تر معاملات تک محدود ہوتی تھی ممتاز اسکو خوب محسوس کر رہا تھا مگر ادریس کو ابھی چھیڑنا اُسنے مناسب نہین سمجھتا تھا - آج نہ جانے کیون اسکے دل نے کہا کہ چلو ایک بار اپنی سی کر آئین اور آنیوالی زندگی کا اونچا نیچا ادریس کے ذہن نشین کرائین۔

ادریس باہر نکلا تو ممتاز کو اسکے تیور دھندلے نظر آئے - ادریس نے اسکو اپنی اس حالت پر غور کرنیکا موقع نہین دیا اور پوچھا "کہو ممتاز کیسے آئے؟ کیا دکان سے متعلق کوئی خاص بات ہے؟"

ممتاز نے بڑی جرأت کی اور کہا "نہین تمھاری ذات سے متعلق ہے - بُرا نہ مانو تو کہون" "کہو" ادریس نے تامل کرتے ہوئے جواب دیا۔

ممتاز آنکھین جھکا کر کہنے لگا "کہنا یہ ہے کہ تمنے یہ جو نئی زندگی اختیار کی ہے اس مین شاید کافی سوچ بچار سے کام نہین لیا گیا ہے - مین اپنی جگہ یہی سمجھے ہوئے ہون کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ آنکھین بند کرکے کر رہے ہو - ادریس مین وعظ و پند کی غرض سے نہین آیا ہون میرا دل نہ جانے کیون دھڑک رہا ہے کہ کہین ایک دن تمکو یہ کہکر رونا نہ پڑے کہ

"الٰہی دل لگا تھا کس گھڑی کا"

ادریس پہلے ہی سمجھ چکا تھا کہ ممتاز کوئی اسی قسم کی بات کہنے والا ہے - اسنے ایک تلخ تبسم کے ساتھ کہا "ممتاز معلوم ہوتا ہے آج ساری دنیا نے اپنی پند و نصیحت سے مجھکو راہ راست پر لانیکا بیڑا اُٹھا رکھا ہے - مگر خیر اپنی خیر اندیشی کا مختصر سا جواب سن لو مریم کو دیکھتے ہی میرے اندر ایک دبی ہوئی آگ بھڑک اُٹھی اور اس سے ملنے کے بعد مجھکو معلوم ہو گیا کہ مین اسقدر آشفتہ اور دلگیر کیون رہتا ہون - مریم نے مجھے بتا دیا کہ مین کس درد کا مارا ہوا ہون اور اسکا علاج کیا ہے - مین محبت کا بھوکا تھا - محبت میرے خمیر مین ہے - مجھکو کسی ایسی چیز کی ضرورت تھی جسمین مین کھو کر رہ جاؤن - وہ چیز مریم کی صورت مین مجھے ملگئی

جلوہ کرد کہ من ہم ہمہ او گرویدم

اس سے زیادہ مین کہنا سننا نہین چاہتا"

ممتاز تھوڑی دیر تک ادریس کی صورت دیکھتا رہا - پھر اُسپر ایک مایوسانہ نگاہ ڈالتا ہوا وہان سے چلا گیا - ادریس اپنے کمرہ مین جا کر لیٹ رہا اور سوچنے لگا - وہ بہت دنون سے ارادہ کر رہا تھا کہ مریم کے ساتھ شادی کرلے اور یکبارگی تمام جھگڑون کو اُبھار کر ختم کردے - اُسنے اشارۃً مریم سے دو ایک دفعہ اپنے ارادہ کا اظہار بھی کیا تھا مریم اسکے جواب مین ادریس کو صرف پیار کرکے رہ گئی تھی ادریس نے بھی زیادہ اصرار نہین کیا تھا - مگر اب وہ اس بات پر تل گیا تھا کہ آج ہی مریم سے اس مسئلہ پر واضح گفتگو کرکے کوئی فیصلہ کرلے

ساون کا آخری موسم تھا صبح سے جھڑی لگی ہوئی تھی - ہوا مین ایک فرد سی ٹھنڈک تھی - بستر پر کروٹین بدلتے بدلتے

ادریس کو نیند آگئی اور پھر جو آنکھ کھلی تو سورج مغربی افق تک پہنچ چکا تھا - ادریس جلدی سے اُٹھا اور منہ ہاتھ دھو کر سپر بیتا کی راہ لی مریم ابھی نہیں آئی تھی - ادریس جنگل کے اتر پورب ایک کنارے بیٹھکر انتظار کرنے لگا۔

۱۲

رات ہو چلی تھی - بارش بند تھی - لیکن آسمان کی فضا مکدر تھی - چاند کا کہین پتہ نہ تھا ستارون کی روشنی مدہم تھی - اردگرد باڑہ کے پانی سے جل تھل ہو رہا تھا - اندھیرے مین سطح آب کی روپہلی چمک دلون کو ہیبت و جلال سے معمور کر رہی تھی - کونہ کونہ سے عبرتناک صدائین نکل رہی تھین اور ادریس اپنے مقدر پر غور کر رہا تھا - اُسنے رام نگر کی "صحرائی زندگی" اسلئے اختیار کی تھی کہ اسکو ہیئت اجتماعی اور اسکی لغو اور لاطائل شورشون سے نجات ملجائے اور وہ رسم و روایت کی جانگسل زنجیر سے آزاد ہو کر راحت و سکون کی سانس لے سکے - مگر اب اسکو معلوم ہوا کہ یہان بھی وہی خدا پوجا جاتا ہے اور یہان کا باوا آدم بھی وہی ہے - دنیا مین رہکر دنیا کے جنجال سے آزادی چاہنا ایک خواب بے تعبیر ہے - پھر ان تمام جھگڑون اور محنتون سے گلو خلاصی حاصل کرنیکے لئے انسان عدم آباد کی راہ کیون نہین لیتا جہان یقیناً آسودگی نصیب ہے - ادریس اپنے خیال مین یہان تک پہنچا تھا کہ اسکو غالب کا یہ کہنا یاد آگیا

"وائے وان بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا ۔۔۔ لے گیا تھا گور مین ذوقِ تن آسانی مجھے"

ادریس کی توجہ کا مرکز بدلگیا اور اب وہ آسمان کی فضا مین گم ہو گیا - وہ ایسا محسوس کرنے لگا کہ یہ کوئی خیالی پرواز نہین ہے بلکہ جسمانی معراج ہے - وہ "چاند" "سورج" "قوس قزح" "ذات الفرس" اور "مسلسلہ" کی سحابی دنیا کی سیر کر رہا تھا جہان وہ سکون ہی سکون محسوس کر رہا تھا - یہ دنیا لطافتون سے آباد تھی اور یہان اُن آلائشون کا خواب بھی کسی نے نہین دیکھا تھا جن سے اس "خراب آباد" کا ذرہ ذرہ ملوث ہے۔

ادریس کی افلاک نوردی نہ جانے اسکو کہان لیجاتی اگر کسی کے قدمون کی آہٹ اسکو چونکا نہ دیتی - اب وہ پھر اسی گرد و غبار کی کثیف دنیا مین سانس لے رہا تھا جہان آدم اور انکے بہکانیوالے پھینکے گئے تھے - ادریس کو آواز پر کان لگائے ہوئے مشکل سے چند لمحے ہوئے ہونگے کہ کسی نے سریلی لہجے مین کہا "آج مجھے دیر ہو گئی - دادا آج کچھ بیمار مین، انھین کے کامون مین لگی رہی" - ادریس کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ مریم اسکی گود مین تھی - دونون کے ہونٹ ملے اور محبت کے عہدنامہ پر ایک تازہ مہر لگ گئی

چوبیس گھنٹے کے بچھڑے ہوئے دلون نے جب ایک دوسرے کے ساتھ جی کھول کر اپنے اپنے ارمان نکال لئے تو ادریس کو یاد آیا کہ وہ گھر سے کیا سوچ کر چلا تھا - اُسنے اپنی آواز کو غیر معمولی طور پر سنجیدہ اور متین بنا کر کہا "مریم مجھے تم سے آج ایک بات کہنا ہے"

"وہ کیا؟ یہی کہ ہم اب اپنی محبت کو نہین ختم کر دین تو اچھا ہے!" مریم نے بات کاٹ کر پوچھا

"نہین مریم نہین - مجھ پر ظلم نہ کرو - مین تمھاری اتنی محبت کرتا ہون کہ اسکے درد سے میرے دل و دماغ پھٹے جا رہے ہین - مین نے اس سے پہلے بھی محبت کی ہے مگر وہ محبت نہ تھی ایک خواب تھا - لاؤ مین تمھاری چاند سی صورت کو پھر غور سے

دیکھون۔ اسمین اور اُن بے شمار صورتون مین جنکو ابتک دیکھ چکا ہون کیا فرق ہے؟ کچھ نہین۔ مگر نہین اتنا فرق ہے جتنا کہ سورج اور خاک کے ذرون مین۔ مریم تمھاری آنکھون مین نشہ ہے جسکو مین اپنے رگ و پے مین ساری ہوتے ہوئے محسوس کر رہا ہون مین نے شراب پی ہے مگر اس نشہ کا تجربہ مجھے کبھی نہین ہوا تھا۔ اور ادریس نے مریم کا منہ پھر چوم لیا

مریم نے افسردہ لہجہ مین کہا "مین نے آج دن مین خواب دیکھا ہے کہ آپ بلا وجہ مجھ سے خفا ہو کر چلے گئے ہین اور پھر میرے رونے دھونے کا آپ پر کوئی اثر نہین ہوا۔ مین نے کیسے کیسے خدا کے واسطے دلائے لیکن آپنے مڑ کر مجھے دیکھا بھی نہین۔ میرا دل کانپ رہا ہے کہ دیکھیئے اس خواب کی تعبیر کیا ہوتی ہے"

"بیکار جی نہ کڑھایا کرو۔ یہ سب تمھارا وہم ہے اور کچھ نہین" ادریس نے جواب دیا "مین آج اسی مسئلہ کو طے کرنے آیا ہون۔ ہمارے دن یون کب تک بسر ہونگے۔ جہان تم ہر طرح سے میری ہو وہان شرعاً بھی میری ہو جاؤ۔ اب زیادہ غور و تامل کا وقت نہین ہے۔ صرف ایک بات میرے دلمین کھٹکتی ہے۔ اس کھٹک کو دور کر دو پھر جس تاریخ کو مناسب سمجھو ہم یہان سے کہین دور جا کر شادی کر لین۔ مین یہ جاننا چاہتا ہون کہ رؤف کے ساتھ تمھارے تعلقات کس قسم کے تھے؟"

مریم مسکرا دی۔ اسکی مسکراہٹ مین خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ شرارت بھی تھی۔ ادریس نے کہا "سچ بتانا ورنہ میرے دل کا بوجھ بڑھتا جائیگا" مریم نے کہنا شروع کیا "رؤف میان نے خود مجھے چھیڑ کر مجھ سے راہ و رسم پیدا کی۔ مین اُن سے بھاگتی رہی۔ وہ میرا پیچھا کرتے رہے۔ آخرکار مجھے بھی ایسے بیدرد کی بے بسی مین مزہ آنے لگا۔ مین اُنکے سارے قصے سُن چکی تھی۔ مین اُن سے کھلکر ملنے لگی لیکن آپکو یقین ماننا ہے تو مانئے کہ آجتک رؤف میان نے میرے جسم کو چھوا تک نہین ہے۔ نہ جانے مجھ مین کیا تھا کہ میرے سامنے اُنکے ہاتھ پاؤن ڈھیلے رہتے تھے۔ جس تاریخ سے مین نے آپکی صورت دیکھی اُن سے ملنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ مجھے کہنا نہین چاہیئے۔ اُنھون نے میرے قدمون پر گر کر خوشامدین کی ہین کہ مین اُن سے دامن نہ چھڑاؤن لیکن مین نے اُن سے کھلے الفاظ مین کہدیا کہ مجھے اُن سے دراصل کبھی کوئی لگاؤ نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ زبردستی کی عشقبازی ہو چکی۔ رؤف میان اسکے بعد بھی اپنی سی کرتے رہے مگر آخرکار مجھے پتھر کی طرح اٹل دیکھکر صبر کرکے بیٹھ رہے۔ مین اُنکی زمین مین بسی ہوئی ہون۔ وہ اگر آج چاہین تو مجھکو یہان سے اُجاڑ سکتے ہین۔ مجھے اسکی بھی پروا نہین ہے۔ مین تو آپ کا سودا مول لے چکی ہون" مریم نے سلسلہ ختم کرکے ادریس کو غرور و پندار کے ساتھ دیکھا۔ ادریس نے اطمینان کی سانس لی اور مریم کو لپٹا کر کہا "تو آج سنیچر کا دن ہے۔ آیندہ جمعہ کو تم میری بیوی ہو گی۔ جمعہ کا دن مبارک دن ہے"

مریم کے چہرہ سے ایک بیچینی کا اظہار ہونے لگا۔ وہ کچھ دیر چپ رہی۔ ادریس نے پوچھا "کیون؟ کیا تمکو منظور نہین ہے؟"

مریم نے ایک آہ کرکے کہا "منظور مجھے سب کچھ ہے مگر نہ جانے کیون میرا دل کہتا ہے کہ آپ مجھ سے شادی کرکے خوش نہین رہ سکینگے۔ میرے اندر بیوی بننے کی قابلیت بہت کم ہے۔ کیا یہ ممکن نہین کہ ہم ہمیشہ یونہی رہین؟ اچھا اس ذکر کو جانے دیجئے۔ دیکھئے چاند بادل کے پردون سے باہر نکل آیا۔ اسکی دھیمی روشنی مین آپ مجھے محبت کے دیوتا معلوم ہوتے ہین۔ آیئے اس رُت اور اس گھڑی سے

سے جو کچھ حاصل ہوسکے حاصل کرلین۔ آنے والی گھڑیون کی بابت جب مین سوچتی ہون تو طرح طرح کے وسوسے دل مین پیدا ہونے لگتے ہین"

مریم کی آنکھین نم آلودہ تھین۔ ادریس پر ایک نشہ سا چھا گیا اور اسنے مریم کی کمر مین ہاتھ ڈالکر اُسکو لپٹا لیا اور خوب پیار کیا وہ اس سے پہلے بھی مریم کے منہ سے اسی قسم کی شاعری سُن چکا تھا اور اسکو معلوم ہوگیا تھا کہ اس پیکر نور کو اگر باقاعدہ تعلیم و تربیت دیجاتی تو وہ ہندوستان مین ایک چیز ہوتی۔ آج ادریس مریم کی باتون سے دیر تک لذت نہ اُٹھا سکا۔ اسکو ایک قطعی فیصلہ پر پہنچنا تھا۔ اُسنے پھر کہا "مریم ذرا سوچو۔ دنیا بڑی بُری جگہ ہے۔ بلا شرع کی زنجیر مین جکڑے ہوئے ہمارا اس طرح ملتے رہنا معیوب سمجھا جا رہا ہے اور ہر طرف شورشین پھیل رہے ہین۔ ہم دونون بدنام ہو رہے ہین۔ شادی کے بعد مجھے دنیا کے کہنے سننے کی مطلق پروا نہ ہوگی"

"لیکن آپکی مان کیا کہین گی" مریم نے رکتے ہوئے پوچھا

ادریس نے بلند آہنگی سے جواب دیا "اُنکا جو جی چاہے کہین۔ مجھے اسکی بھی پروا نہین۔ مین نے اُنکے روٹی کپڑے کیلئے کافی سامان کر دیا ہے۔ اُنکو میرے نہ ہونے سے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اب اگر وہ بیٹے کی خوشی مین شرکت کرنا چاہتی ہین تو کرین ورنہ مین سمجھونگا میرے کوئی مان نہ تھی۔ مین ساری دنیا کی آسائشون کو تج دونگا اور تمھاری جھونپڑی کو بہشت سمجھکر تمھارے ساتھ رہونگا۔ للہ مریم تم میرے سوال کو رد نہ کرو اور شادی کا اقرار کرو ورنہ مین پھر کہین کا نہ ہونگا"

مریم مجبور ہوگئی۔ وہ اپنا دل خون کر سکتی تھی مگر ادریس کو آزردہ کرنا اسکو گوارا نہ تھا۔ اُسنے صرف ایک شرط پیش کی اور وہ یہ تھی کہ شادی کے بعد بھی وہ اسی طرح بے پردہ سیر و تفریح کیا کریگی۔ ادریس نے شرط منظور کرلی اور مریم نکاح پر آمادہ ہوگئی وہی جمعہ کا مبارک دن نکاح کا دن ٹھیرا۔

جمعہ کا وہ دن بھی آگیا۔ مریم اور ادریس دو دن غائب رہے۔ اسکے بعد جو لوٹے تو گھر گھر اسکا چرچا تھا۔ ہر شخص یہی کہہ رہا تھا کہ ادریس کے دماغ مین ضرور کچھ فتور ہے جو اونچے خاندان کی پریزادیون کو چھوڑکر ایک بے نام و نسب بدقماش بھکارن کو یون گھر مین بٹھا لیا۔ نکاح کے مفصل حالات کا پتہ نہین۔ اتنا معلوم ہے کہ ادریس مریم کو لیکر بستی چلا گیا تھا اور وہان قاضی اور گواہون کو جمع کرکے خاموشی کے ساتھ نکاح پڑھوا لیا۔ دیکھنے والونکا بیان ہے کہ جب دونون واپس ہوئے ہین تو اُنکے چہرون پر اس بشاشت اور شگفتگی کی کوئی جھلک نہ تھی جسکی ایسی حالت مین توقع کی جاسکتی تھی

ادریس کی زندگی مین اب کوئی کمی نہ تھی جس چیز کی اُسنے آرزو کی وہ اسکو "دربردہ تقدیر" سے ملگئی۔ اب اسکو آسودہ ہونا چاہیے لیکن نکاح کے چند ہی گھنٹون کے بعد سے وہ اپنے دل پر ایک بوجھ سا محسوس کرنے لگا جسکو وہ خود بھی نہین سمجھ سکتا تھا کہ کیا ہے۔ وہ مریم کی صورت دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو رہا تھا مگر اسکے دل کے اندر جو کانٹے کھٹکنے لگے تھے اُنکا علم سوائے اسکے دل کے اور کسی کو نہ تھا

مریم اب ادریس کیلئے کوئی دیوی یا پری یا دیوتی کی کوئی کاہنہ نہ تھی بلکہ دنیا کی ایک معمولی عورت تھی جس کیلئے اسکو دنیا کے طعنون اور سرزنشون کا مقابلہ کرنا تھا۔ مریم اب زمانہ کے تند جھونکون سے محفوظ رہنے کیلئے ادریس کے سایۂ دامن کی محتاج تھی

ادریس مریم کے ساتھ اپنے گھر مین نہ رہ سکتا تھا۔ وہ اپنے قول کا سچا نکلا۔ اُسنے رسول شاہ کی جھونپڑی مین بود و باش اختیار کرلی۔ اس جھونپڑی کو اُسنے اپنی ضرورتون کے مطابق پھر سے بنوایا اور تیواری پور مین ایک نیا مکان تعمیر کرانیکی فکر مین لگ گیا

مدرسہ اور دکان کا کام بدستور جاری رہا۔ ممتاز ضروری معاملات مین اب بھی ادریس سے ملکر اس سے مشورہ لیتا رہتا تھا مگر اب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونون کے درمیان ایک گہری خلیج حائل ہوگئی ہے۔ ادریس کو مدرسہ کے ساتھ وہی انہماک تھا۔ مگر وہ چارون طرف بدنام ہو رہا تھا اور مدرسہ کا کام خود بخود سُست ہونے لگا تھا

(۱۳)

سات مہینون کی مدت مین ادریس کو ہر طرف کی انگشت نمائیون سے پناہ ملگئی اور اب کہا جا سکتا تھا کہ مریم اور ادریس دونونکو یکسوئی نصیب ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ادریس پر ردعمل شروع ہوگیا تھا۔ وہ اگر چھپاتا نہین رہا تھا تو اسکا یہ خیال جڑ ضرور پکڑ گیا تھا کہ اُسنے مریم کے ساتھ شادی کرنے مین غیر معمولی عجلت کو راہ دیا۔ مان کے چھوٹ جانیکا غم اسپر مستزاد تھا اور وہ اس غم مین بھی بہت کچھ گھل رہا تھا۔ ادریس بھی اپنی مان کی طرح بات کا پکا آدمی تھا۔ اسنے ایک بار بھی سکینہ سے ملنے کی آرزو ظاہر نہین کی مگر مریم سے اسکا درد چھپا نہ تھا۔ ادریس مریم سے ہنس ہنس کر میٹھی میٹھی باتین کیا کرتا تھا اور مریم اسکی ہنسی مین دُکھے ہوئے دل کی ایک جھلک دیکھ لیتی تھی

دو تین مہینون سے ادریس کی آنکھین سوجی ہوئی تھین۔ پہلے تو اسکو معمولی آشوب سمجھا گیا اور اسکی وجہ کثرت مطالعہ بتائی گئی لیکن کچھ دنون سے چارہ گرون کو یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ ادریس کی آنکھین کہین عمر بھر کیلئے بیکار نہ ہو جائین۔ گورکھپور کے ایک ڈاکٹر کا علاج شروع ہوا۔ ادریس کی آنکھون پر پٹی بندھ گئی اور روشنی سے پرہیز کرنیکی سخت تاکید ہوگئی۔ ادریس اسی رسول شاہ کی جھونپڑی مین دن رات ایک اندھیری کوٹھری مین بند رہنے لگا۔ اب اسکا دماغ اپنی پوری جولانی کے ساتھ زندگی کی ناکامیون پر غور کر رہا تھا۔ اسکی اُمیدون کا طلسم ٹوٹ چکا تھا اور اسپر یہ سنگین حقیقت روشن ہو چکی تھی کہ مریم کے ساتھ آسودہ رہنا اس کے لئے اور بھی دشوار ہے

ادریس کا ادھر یہ حال تھا۔ اُدھر مریم کی مایوسیان بھی کچھ کم نہ تھین۔ شادی سے پہلے وہ طرح طرح کے خواب دیکھ رہی تھی۔ اُسکی طبیعت اس خانقاہی زندگی سے اب اُچاٹ ہو چکی تھی۔ اُسنے ادریس کو لکھنؤ اور دوسرے بڑے شہرون کی پر تکلف زندگی کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا جو اسکو دلفریب اور خوش آئند معلوم ہو رہی تھی۔ اُسنے کئی بار ادریس سے کہا بھی تھا "آپ ناحق ایسے ایسے شہرون کو چھوڑ کر اس اُجڑے دیار مین اپنی زندگی کو خاک مین ملا رہے ہین۔ آپنے ایسی ایسی مشقتون کے بعد علم حاصل کیا۔ اس سے آپکو فائدہ اٹھانا چاہئے تھا جن شہری دلچسپیون کا آپ ذکر کرتے ہین کاش وہ مجھے میسر ہوتین"۔ ادریس ہنس کر اسکا جواب دیتا تھا "مریم تمکو اس زندگی کا تجربہ نہین ہے اسلئے اسکی آرزو نہ کرو مین جانتا ہون کہ وہ کیسی بیچین زندگی ہے اسلئے اس سے پناہ مانگتا ہون"

شادی کے بعد مریم نے زبردست تحریک شروع کی کہ ادریس اس کورده کو چھوڑ دے اور کسی دور و دراز شہر میں ذریعۂ معاش تلاش کر کے اسکے ساتھ تعیش کی زندگی بسر کرے - ادریس برابر ٹالتا رہا - آخرکار ایک روز مجبور ہو کر اُسنے نہایت حقارت اور بیدردی سے کہدیا "مین تمھاری اس خواہش کو پورا کر کے اپنی زندگی کو عذاب نہین بنا سکتا"۔ مریم نے پھر کچھ نہ کہا مگر اس جواب سے اسکو جو ملال ہوا وہ کبھی اسکے دل سے گیا نہین۔

... مریم کو سب سے بڑا صدمہ یہ تھا کہ اب ادریس بات بات مین اس سے بگڑ جاتا تھا اور سخت سست کہنے لگتا تھا مریم سب کچھ برداشت کر سکتی تھی لیکن ادریس کی چڑھی ہوئی تیوریان اور اسکی ہر وقت جھڑکیان اسکے لئے زہریلے نشتر سے کم نہ تھین ادریس تھوڑی ہی دیر بعد مریم کو خوشامدین کر کے منانے لگتا تھا اور مریم من بھی جاتی تھی مگر مریم کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اب اسکو تمام عمر انھین کانٹون مین رہنا ہے جنکو خود اُسنے اپنے دل کے خون سے سینچ سینچ کر پرورش کیا ہے - وہ سمجھ چکی تھی کہ ادریس باوجود اپنے دعوی کے مان کو نظر انداز نہین کر سکتا اور چونکہ اپنے کئے کی لاج بھی ہے اسلئے مان سے معافی مانگ کر مصالحت بھی نہین کر سکتا نتیجہ یہ ہے کہ سارا نزلہ "عضوِ ضعیف" پر گرتا ہے اور مریم موردِ عتاب بنتی ہے - اب اسکو یہ فکر تھی کہ کسی طرح مان بیٹے مین ملاپ ہو جائے - اس ملاپ سے اسکو یقین تھا کہ ادریس کی کوفت تو قطعاً دور ہو جائیگی اور بہت ممکن اسکی خود اپنی زندگی بھی خوشگوار ہو جائے - اس خیال سے ایک دن جبکہ ادریس رات بھر کی بیخوابی کے بعد دوپہر کو سو رہا تھا مریم اُٹھی اور ایک چادر سر سے لپیٹ کر رام نگر کیطرف چلی - ادریس کے مکان پر پہنچکر وہ سیدھی اندر داخل ہو گئی - سکینہ ایک چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی - گھر مین کوئی دوسرا نہ تھا مریم سکینہ کو سلام کر کے اسکے پاس بیٹھ گئی - سکینہ نے مریم کو کبھی دیکھا نہین تھا - مریم نے اسکو حیرت کا موقع نہین دیا - اور بلا کسی تمھید کے اپنا تعارف کرایا - سکینہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے - مریم نے چند منٹ کے اندر نہایت اختصار کے ساتھ ادریس کی اندوہناک حالت بیان کر دی اور پھر آنکھون مین آنسو بھر کر کہنے لگی "آپ مجھے جو چاہئے سمجھئے اور جو چاہئے کہئے - مین آپکو اپنی مان سمجھتی ہون - گنہگار مین ضرور ہون لیکن اس گناہ پر میرا کوئی اختیار نہ تھا - مین نے آپکے بیٹے کو اس نادانی سے بہت روکنا چاہا مگر اُنھون نے میری ایک نہ سنی اور اب اگر وہ اپنے کئے پر پچھتا نہین رہے ہین تو آپ سے یون چھٹ جانیکے ملال مین گھُل ضرور رہے ہین اگر آپ نے سچے دل سے اُنکو معاف نہ کیا تو مجھے ڈر ہے کہ نصیبِ دشمنان اُنکی جان پر آبنے گی - اگر آپ یہ چاہین کہ مین اُنکو چھوڑ دون تو مین اسپر راضی ہون بشرطیکہ وہ مجھکو چھوڑ سکین - میرا خدا مالک ہے - کسی نہ کسی طرح زندگی کٹ ہی جائیگی"

مریم کا لب و لہجہ اتنا دردناک تھا کہ پتھر بھی پانی ہو سکتا تھا مگر سکینہ پر اس کا اُلٹا اثر ہوا - اسکا چہرہ سرخ ہو گیا اور اسکی صورت سے غیظ ٹپکنے لگا - اسمین شک نہین کہ مریم کی صورت اور اسکی باتون کا اسپر کافی رعب چھا گیا تھا اور اسمین بھی شک نہین کہ وہ ادریس پر جان نثار کر سکتی تھی لیکن کسی طرح اس خیال کو اپنے دل سے دور نہ کر سکتی تھی کہ وہ سیدھے اور مریم کوچہ و بازار کی ایک رذیل بدمعاش عورت ہے - اُسنے اپنے غصہ مین کانپتے ہوئے ہاتھ سے "دور باش" کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "اپنی سفارش اپنے پاس رکھو اور اپنی چرب زبانی سے کہین اور جا کر کام لو - مجھے معلوم ہے کہ ادریس کو میری ضرورت نہین ہے ورنہ

آج وہ مجھ سے یون منہ موڑ کر میری محبت کو تم پر نہ قربان کر دیتا۔ اب تم ادریس کو بھیک سمجھ کر مجھے واپس دینے کے لئے تیار ہو؟ شاید اب کوئی اور نگاہ پر چڑھ گیا ہے۔ بس اب یہان سے چلی جاؤ اور پھر میرے گھر مین اپنے قدمون کی برکت نہ لانا"۔ سکینہ کو اسوقت دیکھنے والے جلاد سمجھتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ضد اور آن والی عورت تھی اسکو اپنی سیادت پر گھمنڈ تھا ورنہ آج وہ مریم کو ضرور اپنی بہو تسلیم کر لیتی۔ مریم آنکھو نمین آنسو بھرے چلی گئی۔ سکینہ اسدن شام تک پڑی سسکیان لیتی رہی۔

مریم رام نگر سے ملول و دلگیر چلی تھی اور راستہ بھر سکینہ کے برتاؤ پر غور کرتی رہی۔ پرتیا کے قریب پہنچتے پہنچتے اسکا رنج غصہ سے بدلگیا اور اب اسکے خیالات نے پلٹا کھایا۔ سکینہ کے انداز سے اسکو یہ معلوم ہوا تھا کہ اگر مان بیٹے ملگئے تو اب اسکی اپنی زندگی مصیبت ہو گی۔ اسکو یقین ہو گیا تھا کہ سکینہ کبھی اسکی دوست نہین ہو سکتی۔ مریم نے اسی جگہ قسم کھائی کہ جہانتک اسکا بس چلیگا وہ یہی کوشش کرتی رہیگی کہ ادریس اور سکینہ مین میل کی کوئی صورت نہ نکلنے پائے۔

مریم جنگل کے اندر سے ہو کر نہین جا رہی تھی بلکہ اس کھلے ہوئے راستہ سے جا رہی تھی جو آمی اور جنگل کے درمیان سے گذرتا ہے۔ آدھے سے زیادہ راستہ طے ہو چکا تھا۔ مریم اپنے خیالات مین گم تھی۔ اتنے مین بائین طرف سے کسی نے اسکا نام لیکر پکارا۔ آواز آشنا سی تھی مریم چونک پڑی۔ دیکھا تو جنگل کے کنارے رؤف کھڑا تھا۔ رؤف نے نگاہون سے التجا کرتے ہوئے کہا "اگر کوئی ہرج نہ ہو تو اتنی مدت کے بعد دو باتین مجھ سے بھی کرتی جاؤ"۔ مریم ہچکچاتے ہوئے رک گئی۔ رؤف قریب آگیا اور چند منٹ تک مریم کو پرستارانہ نگاہون سے دیکھتا رہا۔ مریم نے گھبرا کر کہا "مجھے جلد گھر پہنچ جانا چاہئے۔ کہئے آپکو کیا کہنا ہے"۔ رؤف نے محسوس کر لیا کہ مریم اب وہ مریم نہین ہے۔ اسلئے کہ اسکے لہجہ مین آج وہ اکڑ وہ خودداری وہ معصومانہ سرکشی نہ تھی۔ رؤف نے ایک آہ کر کے کہا "خدا جانے تمنے اپنی زندگی بنائی یا نہین مگر مجھکو تو بری طرح مٹی مین ملا دیا۔ یون تو بہ ظاہر مین جیسا تھا ویسا اب بھی ہون مگر کہہ نہین سکتا تمھاری صورت دیکھنے کو تمھاری باتین سننے کو ترستا ہون۔ اب اور کوئی آرزو کرنا تو بیکار ہے لیکن کیا یہ امید بھی ناجائز ہے کہ کبھی کبھی اپنی صورت دکھا دیا کرو۔ تم آزاد اب بھی ہو اور اتنا کر سکتی ہو۔ کہو تو مین اسی جگہ روز آیا کرون"۔ مریم نے سراسیمہ ہو کر جلدی سے جواب دیا "نہین آپ اسکی کوشش نہ کیجئے۔ مین بدنام ہو جاؤنگی۔ ہان اگر آپ کی حسرت صرف اسقدر ہے تو مجھ سے جب کبھی ہو سکیگا آپکو اپنا شامت زدہ منہ دکھا دون گی"۔ مریم رخصت ہو جانا چاہتی تھی۔ مگر رؤف نے پوچھا "کیون مریم شامت زدہ کیون؟ کیا تم خوش نہین ہو؟"۔ مریم نے ملاقات کو مختصر کرنے کے لئے کہا "مجھے کوئی شکایت نہین۔ مجھے خدا کا دیا سب کچھ ملا ہے۔ لیکن اسکا کیا علاج کہ مین دنیا مین خوش رہنے کے لئے نہین بنائی گئی ہون۔ میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو یقیناً خوش ہوتا"۔ یہ کہکر وہ وہان سے روانہ ہو گئی۔

ادریس ابھی سو رہا تھا۔ مریم بیٹھکر اپنی گذشتہ اور موجودہ زندگی کا موازنہ کرنے لگی۔ کیا اسکے حق مین یہ بہتر نہ ہوتا کہ وہ بلا کسی قسم کی زنجیر مین اپنے کو جکڑے ہوئے اپنی تمام عمر گذار دیتی؟ یا اگر اسکو کسی کا پابند ہی ہونا تھا تو کیا رؤف ادریس سے زیادہ مستحق اور اس سے زیادہ موزون آدمی نہ تھا؟ آج پہلا دن تھا کہ مریم نے رؤف کو قدر کی نگاہون سے دیکھا تھا۔ لیکن ادریس کے مقابلہ مین رؤف کا خیال آتے ہی اسکو اپنی ذات سے شرم آنے لگی اسنے "توبہ توبہ" کہکے فوراً اس خیال کو اپنے ذہن سے دور کر دیا اور آہستہ سے ادریس کو جا کر جگا دیا۔ ادریس کے فرشتون کو بھی خبر نہ تھی کہ مریم اتنی دیر مین کہان کہان ہو آئی اور کیا کیا کر آئی مریم نے بھی ادریس سے آج کے واقعات کا کوئی ذکر نہین کیا

(باقی)

مجنون گورکھپوری

حکومت برطانیہ کی وسعت کا راز

اور

قبضۂ ہندوستان کی دلچسپ داستان

ہم نے ہندوستان کس طرح فتح کیا؟

یہ سوال کہ ہمنے ہندوستان کس طرح فتح کیا، اُن سوالات سے جنکو مین نے گذشتہ سلسلۂ تقریر مین اُٹھایا تھا، قطعی مشابہ نہین ہے۔ دنیائے جدید مین ہمارے نوآبادکارون نے یقیناً ایک وسیع خطہ پر تصرف کرلیا تھا لیکن وہ نسبتۂ غیر آباد تھا، جن مشکلات کا اسکو مقابلہ کرنا پڑا زیادہ تر وہان کے دیسی باشندون کی طرف سے نہین تھین بلکہ یورپ کی دوسری قومون کی رقابت سے پیدا ہوئی تھین، مین کسی حد تک بیان کرچکا ہون کہ رفتہ رفتہ کن کن طریقون سے ہم نے ان حریفون پر فوقیت حاصل کی۔ اس سوال کا جواب گو بادی النظر مین بالکل کھلا ہوا نہین معلوم ہوتا تاہم اسکا دریافت کرلینا زیادہ مشکل نہین۔ برخلاف اسکے یہ سوال کہ ہندوستان کس طرح فتح ہوا پہلی ہی نظر مین نہایت پریشان کن معلوم ہوتا ہے۔ یہان آبادی گنجان تھی، یہان کا تمدن، (گو اسکا سرچشمہ بالکل مختلف تھا) ایسا ہی حقیقی اور قدیم تھا جیسا ہمارا اپنا۔ ہم نے یورپ کی تاریخ مین متعدد مثالین ایسی دیکھی ہین کہ ایک سمجھدار قوم کو جو زبان و مذہب مین اپنے حملہ آورون سے قطعی مختلف تھی، فتح کرنا بالکل ناممکن ہوگیا۔ ہسپانیہ کی پوری طاقت اسّی سال مین بھی ڈچ کے صوبون کو جنکی آبادی نہایت مختصر تھی نہ فتح کرسکی۔ یہی حال پرانے زمانہ مین سوئٹزرلینڈ والون اور حال مین یونانیون کا تھا کہ وہ مغلوب نہ ہوسکے اور ٹھیک اُسی وقت جب ہم نے ہندوستان کی فتح کا پہلا قدم اُٹھایا، ہم امریکہ کے ۳۰ لاکھ باشندون کو جو ہماری ہی نسل سے تھے تاج برطانیہ کا وفادار رکھنے مین ناکام رہے۔ یہ کیسا عجیب اجتماع ضدین ہے! انگریزون نے جنگ امریکہ کی سی مایوس کن نااہلی کبھی نہین دکھلائی اسوقت بظاہر یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ انکے عروج کا زمانہ ختم ہوگیا اور انگلینڈ کا زوال شروع ہوگیا۔ لیکن اُسی وقت ہندوستان مین وہ بحیثیت ایک ناقابل مقاومت فاتح کے نظر آرہے تھے اور اپنی اسی فوقیت کو دیکھکر وہ اپنے کو بہادرون کی ایک قوم سمجھنے لگے تھے۔ اس اختلاف کی کیا تشریح ہوسکتی ہے؟

تاریخ کا مطالعہ اسقدر سطحی نگاہ سے .... کیا جاتا ہے کہ یہ اختلاف بالکل ... نظر انداز ہوجاتا ہے یا زیادہ سے زیادہ ہماری نظرون کے سامنے فتح کی ایک جھلک آجاتی ہے جسکی وجہ سے ہم خیال کرتے ہین کہ باوجود ان باتون کے اُسوقت ہمارے اندر آثار حیات موجود تھے۔ یقیناً (اگرچہ اس اختلاف کی تاویل کتنی ہی مشکل معلوم ہو) اسمین کوئی شبہہ نہین ہے کہ بارہا ہندوستان مین پلاسی یا دوسرے موقعون پر ہماری فوجون نے خوفناک مشکلات کے باوجود فتوحات حاصل کین۔ اگر ہم یہان اپنی قومی برتری پر ناز کرین اور محسوس کرین کہ ہندؤن کے مقابلہ مین ہم خوفناک لوگ ہین تو کوئی مضائقہ نہین۔

لیکن سچ مچ کیا یہ دعویٰ اس مشکل کو رفع کرسکتا ہے؟ فرض کرو کہ ایک انگریز سپاہی ۱۰ یا ۲۰ ہندوؤن کے برابر ہے۔ کیا اسوقت بھی یہ قیاس مین آسکتا ہے کہ انگریزون نے سارے ہندوستان کو فتح کرلیا جس وقت یہ فتح شروع ہوی انگریزون کی کل تعداد ۱۲ ملین (ایک کروڑ ۲۰ لاکھ) تھی اور ہندوستان کے علاوہ انکو دوسری جگہون پر بھی لڑائیان درپیش تھین۔ علاوہ اسکے کچھ زمانہ یورپ کی جنگ ہفت سال مین پڑتا ہے اور جب ہم نپولین سے برسرپیکار تھے تو لارڈ ولزلی ہندوستان مین بڑے بڑے ملحقات کا اضافہ کررہا تھا ہماری سلطنت فوجی نہین ہے۔ اُس زمانہ مین ہم کوی زبردست نبرد آزما فوج رکھنے کے قابل نہین تھے اور نہ ہمکو اس کا دعویٰ تھا۔ اسطرح یورپ کی جنگون مین ہم عام طور پر بحری بیڑون سے کام لیتے تھے اور جب خشکی پر مقابلہ کی نوبت آتی تو کسی اپنے حلیف کے طرفدار ہوجاتے۔ چنانچہ کبھی آسٹریا کا ساتھ دیتے اور کبھی پروشیا کا۔ باوجود اپنی بری طاقت کی کمزوری کے ایسے وقت مین کیونکر ممکن تھا کہ ہم ہندوستان کے بڑے حصہ پر فتح حاصل کرتے جسکا رقبہ تقریباً ۱۰ لاکھ مربع میل اور آبادی ۲۰ کروڑ تھی۔ اسکی وجہ سے ہماری فوجی قوت اور خزانہ پر کتنا بار پڑا ہوگا۔ تاہم کسی وجہ سے یہ بار کبھی محسوس نہین ہوا۔ یورپ کی جنگون نے ہم پر اتنا قرض لاد دیا جو کبھی ادا نہ ہوسکا۔ لیکن ہندوستان کی جنگون سے ہمارے قومی قرضہ مین مطلق اضافہ نہین ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جو کچھ محنت و مشقت ہمکو وہان برداشت کرنا پڑی ان انکا کوی اثر باقی نہ رہا۔

اسلئے ضرور اس موجودہ خیال مین کچھ غلطی ہے کہ انگلینڈ سے سپاہی ہندوستان گئے اور انھون نے اپنے شجاعت اور ذہنی تفوق کی بدولت سارے ملک کو فتح کیا۔ ۱۸۱۸ء مین مرہٹون سے جو بڑی لڑائی ہوی اس مین ہمارے ایک لاکھ سے زیادہ سپاہی تھے لیکن یہ کسقدر حیرت کا مقام ہے یہی وہ زمانہ ہے جب جنگ نپولین کے بعد ہماری بے سروسامانی اور بے بضاعتی حد درجہ المناک تھی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ جنگ واٹرلو کے تین ہی سال بعد ہم ہندوستان مین اتنے بڑے پیمانہ پر جنگ مین مصروف ہوتے اور ہمارے پاس اتنے سپاہی ہوتے جتنے لارڈ ولنگٹن کے پاس اسپین مین بھی نہ تھے۔ پھر اس وقت بھی ہندوستان مین ہماری فوجی قوت صرف ۲ لاکھ نفوس ہے صرف دو لاکھ سپاہی! درانحالیکہ ہماری سلطنت بھی فوجی سلطنت نہین ہے!!

درحقیقت مین جس بات کی طرف اشارہ کررہا ہون تم اُسکو سمجھ رہے ہو۔ ہم سب جانتے ہین کہ یہ ہندوستانی فوج خالص انگریزی نہین ہے بلکہ اسمین غالب عنصر دیسی فوج کا ہے۔ ۲ لاکھ مین سے صرف ۶۵۰۰۰ یعنی ایک تہائی سے بھی کم اسمین انگریز سپاہی ہین اور یہ تناسب غدر کے بعد سے قائم کیا گیا جب سے کہ انگریزی سپاہ مین اضافہ اور دیسی فوج مین تخفیف کی پالیسی شروع ہوئی۔ اسطرح غدر کے وقت انگریزی سپاہ کی تعداد صرف ۴۵۰۰۰ تھی اور اُسکے مقابلہ مین دیسی سپاہ ۲۳۵۰۰۰ تھی یعنی انگریزی سپاہ ہندوستانی سپاہ کے بقدر ۱/۵ تھی پھر ۱۸۰۸ء مین دیکھتا ہون کہ انگریزی سپاہ ۲۵۰۰۰ تھی اور دیسی سپاہ ۱۳۰۰۰۰ یعنی ۱/۵ سے بھی کم۔ یہی تناسب ۱۷۷۳ء مین بھی تھا جسوقت برطانوی ہند اور ریگولیٹنگ ایکٹ وجود مین آئے۔ اسوقت کمپنی کی فوجی قوت ۹۰۰۰ یوروپین اور ۴۵۰۰۰ دیسی سپاہ پر مشتمل تھی۔ اس سے قبل یوروپین سپاہ کا تناسب مین اس سے بھی کم پاتا ہون یعنی صرف ۱/۷ اگر اسی طرح ہم پیچھے ہٹتے جائین تو دیکھین گے کہ شروع شروع مین ہندستانی فوج کلیتہً دیسی ہی تھی، یوروپین سپاہ کا اسمین نام بھی نہین تھا۔ کرنیل چسنے (Col. Chesney) اس کے متعلق تاریخی نقطۂ نگاہ سے یون لکھتا ہے،،

"کمپنی کی ہندوستانی فوج ۱۷۴۸ء مین وجود مین آئی جب فرانسیسیون کی دیکھا دیکھی اپنے تحفظ کے لئے اُسنے مدراس مین ایک مختصر دستہ سپاہ کا مرتب کیا۔ ٹھیک اُسی وقت یوروپین سپاہ کا ایک دستہ بھی مرتب ہوا جس مین وہ ملاح شامل تھے جو جہاز کے کام سے فاضل بچتے تھے یا وہ لوگ ہوتے تھے جنکو کمپنی کے جہاز ران انگلینڈ سے پھنسا کر لاتے تھے۔"

کمپنی کی ابتدائی لڑائیون مین، جنکی بدولت اسکو استحکام نصیب ہوا، ہر موقع پر محاصرہ ارکاٹ محاصرۂ پلاسی، اور بکسر مین، اسکے دیسی سپاہیون کی تعداد یوروپینون سے زیادہ تھی۔ یہان پر ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ ہمارا یہ خیال نہین ہے کہ دیسی سپاہ لڑنے مین نالائق تھی یا میدان جنگ مین سارا بوجھ یوروپینون ہی پر پڑتا تھا جس شخص کا ایسا طفلانہ خیال ہو۔ ایسا خیال عام طور سے مورخین اپنے غرور قومیت مین ظاہر کرتے ہین۔ اسکو یہ سنکر ہرگز متعجب نہین ہونا چاہئے کہ انگریز مصنفین دیسی سپاہ کی حقیقت کا اندازہ کرنے مین بالکل قاصر تھے، میکولے نے کلایو پر جو مضمون لکھا ہے اسکو پڑھو، تم اسمین ایسے تعریفی کلمات بھرے پاؤگے، "شاہی قوم"، "سمندر کی بہادر اولاد"، "کلایو اور اُسکے ہمقوم انگریزون سے کوی مقابلہ نہین کر سکتا تھا"، لیکن اگر ایک مرتبہ تسلیم کر لیا جائے کہ دیسی سپاہ ہمیشہ انگریزون سے تعداد مین زیادہ تھی اور ہر موقع پر جنگی لیاقت مین انگریزون کے ہم پلہ تھی تو ہماری کامیابی کا سارا دعوی جسکی بنا ہماری غیر محدود فطری شجاعت کی برتری پر ہے، متزلزل ہو جائیگا۔ جن لڑائیون مین ہماری فوج دشمن کے مقابلہ مین "ایک اور دس"، کی نسبت رکھتی تھی اگر ہم کہین کہ ایک انگریز دس دیسی کے برابر تھا تو یہی بات ایک دیسی سپاہی کے لئے بھی صادق آسکتی ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ دونون سپاہ مین فرق تھا لیکن یہ فرق قومیت کا نہین تھا بلکہ ڈسپلن اور فن جنگ کا اور اکثر اوقات بلاشبہ سپہ سالاری کا تھا۔

تم دیکھوگے کہ مِل (Mill) نے "فتح ہند" کی جو سرسری تفصیل لکھی ہے اسمین انگریزون کی اس فطری برتری کا کہین ذکر نہین ہے۔ وہ لکھتا ہے "ہندوستان کی فتح دو اہم باتون کے دریافت پر منحصر تھی۔ پہلی یہ کہ دیسی فوج یورپین فوج کے مقابلہ مین بے قاعدہ ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ یورپین ملازمت مین رہنے والی دیسی سپاہ کو فوجی قواعد سکھانا آسان ہوتا ہے۔ یہ دونون باتین فرانسیسیون نے دریافت کی تھین"

اگر ہم تسلیم بھی کر لین کہ انگریزی سپاہ لڑنے مین دیسی سپاہ سے عمدہ تھی اور مشترکہ فتوحات مین اول الذکر کا حصہ زیادہ تھا تو بھی یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ انگریزی قوم نے ہندوستانی قوم کو فتح کیا۔ . . . . ہندوستانی قومون کو اس فوج نے زیر کیا جسمین صرف ۱/۵ حصہ انگریزی عنصر تھا۔ ہم ان کامیابیون مین نہ صرف اپنی کارگذاری کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرتے ہین بلکہ شروع سے ان کی حقیقت ہی کو غلط سمجھتے اور غلط بیان کرتے ہین۔ بھلا فوج کا ۴/۵ حصہ کس قوم کی سپاہ سے تھا۔ دیسی ہندوستانیون سے۔ لہذا یہ کہنا کہ ہندوستان کو غیر ملکیون نے فتح کیا مشکل سے صحیح ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کو خود ہندوستانیون نے فتح کیا۔ اگر ہم ہندوستان کو فرانس یا انگلینڈ کی طرح متحد القوم سمجھنے مین برسرحق ہوتے، حالانکہ ہم نہین ہین، تو کبھی نہ کہتے کہ وہ غیر ملکی دشمنون سے دب کر چُور چُور ہو رہا تھا۔ بلکہ ہمکو کہنا چاہئے کہ اُسنے فتنہ و فساد اور طوائف الملوکی سے نجات حاصل کرنے کے لئے صرف ایک حکومت کے آگے گردن جھکا دی اگرچہ وہ حکومت غیرون ہی کی تھی۔"

ہندوستان کی یہ تعریف یا اُسکے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ سیاسی اعتبار سے متحد تھا قطعی غلط اور مبالغہ آمیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نہ تو سیاسی اعتبار سے اور نہ کسی دوسرے صحیح مفہوم مین ہندوستان تھا۔ یہ لفظ محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے یہی وجہ تھی کہ ہندوستان اس آسانی کیساتھ فتح ہوگیا۔ بالکل یہی حالت اطالیہ اور جرمنی کی تھی جو نپولین کے پنجہ مین آگئے تھے۔ کیونکہ درصل اطالیہ اور جرمنی کا وجود حقیقی معنون مین تھا ہی نہین انہین قومیت کا جذبہ بالکل مفقود تھا۔ نپولین جرمنی کی ایک ریاست کو دوسری ریاست کے مقابلہ مین کھڑا کردیتا یا جب وہ آسٹریا یا پروشیا سے برسرپیکار ہوتا تو انکی حلیف بویریا اور ورٹمبرگ کی ریاستین ہوتین جس طرح نپولین نے دیکھا کہ وسط یورپ مین فتوحات حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہایت کامیاب ہے اُسی طرح ڈوپلے نے شروع شروع ہندوستان مین بھی قیام سلطنت کے اس طریقہ کو موثر پایا بشرطیکہ وہان کسی یورپین حکومت کے مستحکم کارخانجات ہون۔ اُسنے دیکھا کہ یہان ہرایک یاست دوسری ریاست سے خانہ جنگی مین مبتلا ہے اگر انکی باہمی لڑائیون مین کوئی غیر ملکی دخل دیدے تو بلاشبہہ انکی قوت متوازن کرنیکی کنجی اسی کے ہاتھ مین ہوگی۔ ڈوپلے نے اس تجویز پر عمل کیا۔ چنانچہ ہندوستان مین اہل یورپ کی سلطنت کی ابتدا اُسوقت ہوی جب فرانسیسیون نے حیدرآباد کی اُس لڑائی مین دخل دیا جو نظام الملک اعظم کی جانشینی کے سوال پر ۱۷۴۸ء مین ہوئی تھی۔

اسلئے حقیقت امر یہ ہے کہ ہندوستان کو اجنبیون سے مغائرت ہی نہین تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ وہان قومی اتحاد مفقود تھا۔ اور صحیح معنی مین نہ ہندوستانی ہندوستانی تھے اور نہ غیر ملکی غیر ملکی اس حد تک، جیساکہ مین نے اشارہ کیا ہے، یورپ مین بھی اسکی مثال موجود ہے۔ جب ہم اس حقیقت پر غور کرتے ہین کہ ہندوستان کو انگریزون نے دیسی سپاہ کی مدد سے فتح کیا تو ہمکو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہان قومیت کا احساس اس سے کہین زیادہ مردہ ہوچکا تھا جتنا کہ اٹھارہ سال پہلے جرمنی مین تھا۔ نپولین نے بویریا کو آسٹریا کے خلاف یا دونوں کو پروشیا کے خلاف لڑادیا، لیکن اس نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ بویریا، آسٹریا یا پروشیا کو آپس میں لڑادے کیونکہ ان میں کچھ نہ کچھ احساس قومیت کا موجود تھا۔ . . . . نپولین ایک معاہدہ کی رو سے بویریا کے صدر سے آسٹریا پر حملہ کیوقت ایک فوج حاصل کرتا ہے لیکن وہ محض روپیہ کی بدولت جرمنون کی فوج مرتب کرکے خود جرمنی کو نہین فتح کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان مین ایسا ہی ہوا۔ یورپ کے اندر اگر تم اسکی مثال سمجھنا چاہو کہ ہندوستان کو ایسی فوج نے فتح کیا جسمین ۴/۵ دیسی سپاہ تھی اور صرف ۱/۵ انگریزی تو تم فرض کرو کہ انگلینڈ نے فرانس پر حملہ کیا اور فرانسیسیون کو معقول تنخواہ دیکر اسقدر کافی فوج بھرتی کرلی کہ فرانس فتح ہوگیا۔ اُف یہ خیال ہی کسقدر رہیبتناک ہے! تم متعجب ہوگے کہ فرانسیسی فوج اور جب جاپ فرانس پر حملہ کرے۔ تاہم اگر تم غور کرو تو محسوس کروگے کہ ایسا ہونا ممکن تھا بشرطیکہ فرانس کی گذشتہ تاریخ مختلف ہوتی۔ ہم خیال کرسکتے ہین کہ فرانس مین قومیت کا جذبہ کبھی پیدا ہی نہین ہوا اور یہ بہت آسان ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ بارھوین صدی شاہ پیرس اور شاہ رُون (Rouen) کی خانہ جنگیون سے بھری ہوی ہے۔ ہم اپنے سلسلہ خیال کو آگے بڑھائین تو دیکھینگے کہ فرانس کے مختلف حصو نمین جو حکومتین قائم تھین اُنہین کی بیشتر غیر ملکی تھین یعنی ملک پہلے ہی سے غیر ملکی حکمرانون کے جوے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ایسے ملک مین اگر خارجی اثرات سے ایسی ابتری رونما ہوجائے کہ کرایہ پر لڑنا ایک منفعت بخش پیشہ سمجھا جانے لگے تو ملک زرپرست اور پیشہ ور سپاہیون سے بھر جائیگا۔ ایسے سپاہی ہر حکومت سے لڑنے کے لئے تیار ہوجائینگے چاہے وہ ملکی ہو یا غیر ملکی۔

ہندوستان کی حالت بالکل ایسی ہی تھی۔ انگریزون نے وہان غیر ملکی غلبہ کی بنا نہین ڈالی کیونکہ وہ پہلے ہی سے موجود تھا

اس موضوع کے متعلق ہمنے ایک مخصوص غلط فہمی پیدا کر دی ہے۔ یورپین قوم سے مراد وہ قوم ہے جو ایک خاص حصۂ ملک پر قابض ہو۔ ہمارے نزدیک ایسی قومیت معمولی شے ہے حالانکہ یہ نہایت غیر معمولی ہے۔ اسی قومیت کے تخیل پر ہماری حب الوطنی اور تمام قومی خصائل حمیدہ کی بنا ہے ہندوستان مین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قومیت کا مفہوم بالکل پراگندہ ہے، یہی نہین کہ گیارھوین صدی سے ملک اسلامی حملون سے محصور تھا بلکہ اگر ہم اس سے اوپر نظر کرین تو دیکھینگے کہ مختلف قومین ایک دوسرے سے مل جل گئی ہین، ایک قوم دوسری قوم پر غلبہ کئے ہوئے ہے۔ وہ سنسکرت بولنے والی آرین قوم جو برہمنیت کی خالق ہے جو ہندوستان مین نام نہاد اتحاد قائم کرنے کی دعویدار ہے خود ایک حملہ آور قوم ہے اور بحیثیت حملہ آور ہونے کے اپنے اندر قدیم اقوام کو جذب کرنے سے قاصر رہی۔ یورپ مین قدیم قوم بالکل غائب ہو چکی ہے یہان تک کہ یورپین زبانون مین اُسکے وجود کا کوئی نشان نہین باقی ہے برخلاف اسکے ہندوستان مین قدیم اقوام ہر جگہ ظاہر ہین۔ وہان کی مروجہ زبانین سنسکرت کی مسخ شدہ شکلیں نہین ہین بلکہ سنسکرت اور قدیم زبانون کی آمیزش کا نتیجہ ہین۔ جنوبی ہند مین تو ان زبانون مین سنسکرت کی بو بھی نہین ہے۔ برہمنیت جو بادی النظر مین عالمگیر معلوم ہوتی ہے نظر غائر سے مطالعہ کرنے پر محض چند اصول فلسفہ کے مبہم مجموعہ کا نام رہ جاتی ہے۔ جسنے متضاد اور بے جوڑ اوہام یگانگت کی جھلک پیدا کر دی ہے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہندوستان مین وہ بنیادی دعوی ہی مفقود ہے جسپر مغرب کے اصول سیاست کی بنیاد ہے۔ وہان وہ قومیت ہی نہین جسپر قومی حکومت ممکن ہو۔ اسکے ثبوت کے لئے ہمکو بہت پیچھے جانے کی ضرورت نہین ہے بس اتنا دیکھنا کافی ہے کہ محمود غزنی کے زمانہ سے ہندوستان مین اسلامی حملہ کا ایک مستقل سیلاب آتا رہا مغلون کی آمد سولھوین صدی مین تھی اور اس سے بہت پیشتر وہان کی اکثر حکومتین اسلامی تھین۔ اس لئے اُسی وقت سے ہندوستان کی اکثر ریاستون مین قومیت کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا۔ حکومتون کی بنیاد اب عدل و انصاف پر نہین تھی۔ انکو اب حق نہین باقی رہا کہ وہ قومیت اور حب الوطنی کے نام پر اپیل کرین۔

ان حالات کے اندر ہندوستان کی فتح کی تشریح ہندوستانیون کو دوسری قومون سے فروتر سمجھے بغیر ممکن ہے۔ بنا برآن کوئی وجہ نہین کہ ہم خواہ مخواہ انگریزون کو دوسری قومون سے اعلی خیال کرین۔ ہمارے نزدیک انسان کا اپنے ملک کی خاطر غیر ملکیون سے لڑنا ایک فرض ہے لیکن لیکن سوال یہ ہے کہ اُسکا ملک کیا ہے؟ جب ہم اس خیال کا تجزیہ کرتے ہین تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ انسان ایک ایسی قوم مین پیدا ہو کر پرورش پائے جو بطور ایک بڑے خاندان کے سمجھی جاتی ہو اور وہ فطری طور پر ملک کو بمنزلہ اپنی مان کے سمجھتا ہو لیکن اگر قوم کی ترکیب ایسی نہین ہے بلکہ اس مین دو یا تین قومون کی آمیزش ہو جو آپس مین ایک دوسرے سے نفرت کرتی ہون اور زیادہ سے زیادہ اپنے گانون کو گھر سمجھتی ہون تو ایسی صورت مین وہان کے باشندون کا کوئی قصور نہین اگر انمین بجائے حب الوطنی کے گانون کی محبت ہو۔ پہلے پہل غیر ملکی جوے کو اپنے کندھے پر رکھنا اور چیز ہے اور ایک غیر ملکی جوے کو ہٹا کر دوسرا غیر ملکی جوا رکھنا بالکل دوسری چیز ہے۔

ہندوستان کی فتح کا تعجب خیز پہلو یہ نہین ہے کہ وہ انگریزون کو نصیب ہوی بلکہ یہ ہے کہ انگلینڈ کو اس کے لئے کوئی محنت یا کوشش نہین کرنا پڑی۔ ہم اتنی بڑی آبادی فتح کرنے مین مصروف تھے جو یورپ کی آبادی کے برابر تھی لیکن انگریزون نے نہ تو کوئی ٹیکس دیا، نہ انگریزی حکومت نے قرضہ لیا نہ کبھی جبری فوجی بھرتی ہوی، نہ کبھی آدمیون کی قلت محسوس ہوی اور نہ ہمکو دوسری جنگون کے جاری رکھنے مین کوئی دقت ہی محسوس ہوی۔ بظاہر یہ صورت ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے لیکن مین نے اسکی وجہ بیان کر دی ہے جہان تک ان لڑائیون کی مالی حالت

کا تعلق ہے وہ عام اصول جنگ کے مطابق تھی۔ فتح ہمیشہ اپنا خرچ آپ برداشت کرتی ہے۔ پنولین کو کبھی مالی پریشانی نہین ہوی کیونکہ وہ ہمیشہ انھین کے صرفہ پر رہتا تھا جنکو مغلوب کرتا تھا۔ اسی طرح ہندوستان بھی ہندوستان ہی کے روپیہ سے فتح ہوا۔ اب صرف یہ سمجھنا مشکل ہے کہ آخر فوج کس طرح فراہم ہو سکتی تھی۔ اور یہ مشکل بھی رفع ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ اس فوج کا بڑا حصہ ہمیشہ دیسی سپاہ پر مشتمل ہوتا تھا۔

اگر ہم بغور دیکھین تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان پر حصول سیادت کے لئے لفظ "فتح" کا استعمال صرف ناموزون ہی نہین بلکہ قطعی مغالطہ آمیز ہے۔ کیونکہ اس طرح ہم ہر واقعہ کو ایسی صورت مین تقسیم کرنے کے مرتکب ہونگے جس سے وہ دراصل مشابہ نہین ہے بلاشبہہ اس سے قبل مین نے اچھی طرح بیان کر دیا ہے کہ جب کبھی یہ لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے کہین زیادہ جامع تعریف کا متقاضی ہوتا ہے جتنی عام طور سے لوگ اسکی کرتے ہین نیز یہ کہ اسکے بہت سے دوسرے معنی بھی ہوتے ہین۔ یقیناً یہ لفظ اسی موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جب ایک سلطنت دوسری سلطنت کے خلاف کوئی قدم اٹھاتی ہے، دو سلطنتون مین جنگ ہوتی ہے ایک حکومت کی فوج دوسرے کی فوج پر حملہ آور ہوتی ہے اور اسکو درہم برہم کر دیتی ہے یا ایسی ذلیل صلح پر مجبور کرتی ہے جو اسکی آزادی سلب کرنیوالی ہوتی ہے۔ اسی کا نام صحیح معنون مین فتح ہے۔ اب چونکہ ہم کہتے ہین کہ انگلینڈ نے ہندوستان کو فتح کیا تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ ان دونون ملکون کے درمیان اس قسم کا کوی واقعہ ہوا۔ سکندر اعظم نے جب مملکت فارس کو فتح کیا تو حکومت مقدونیہ اور حکومت فارس کے درمیان جنگ ہوی تھی جسکا نتیجہ فارس کی شکست مین ظاہر ہوا۔ جب سیزر نے گال ([illegible]) فتح کیا تو وہ جمہوریت روم کی طرف سے ایک عہدہ پر ممتاز تھا۔ وہان کی سنیٹ نے اسکو سلطنت رومہ کی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ لیکن ہندوستان مین اس قسم کا کوئی واقعہ نہین ہوا۔ شاہ انگلینڈ نے نہ تو مغل بادشاہ سے اور نہ کسی راجہ یا نواب ہی سے اعلان جنگ کیا۔ سلطنت انگلینڈ کو ہندوستان کی فتح سے کبھی کوئی تعلق نہ ہوتا اگر اول الذکر کو فرانسیسون سے پانچ مرتبہ جنگ کی نوبت نہ پڑی ہوتی جب فرانسیسی قبضہ ہندوستان مین اچھی طرح جم گیا تو انگریزون کو انسے لڑنے کی ضرورت لاحق ہوی۔ اور چونکہ انکی بعض لڑائیان ہندوستان مین ہوئین اسلئے قدرتاً ایک حد تک ایسٹ انڈیا کمپنی اور دیسی ریاستون سے بھی انکا تعلق ہو گیا۔ اگر ہم اس واقعہ کی ماہیت کو واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہین تو چاہئے کہ کہ صورت حالات کو جو بالکل اتفاقی تھی نظر انداز کر کے غور کرین۔ اسوقت ہم دیکھینگے کہ ہندوستان مین درحقیقت کوئی ایسی بات نہین ہوئی جسکو فتح سے تعبیر کیا جا سکے حقیقت یون ہے کہ چند سوداگر ہندوستان کے ساحلی شہرون مین آباد ہو گئے۔ جب سلطنت مغلیہ کو زوال شروع ہوا اور بدامنی رونما ہوی تو انھون نے مجبوراً اپنی فوجی تنظیم کی اور کچھ فوج بھی ملازم رکھ لی۔ ان فوجون کی مدد سے انھون نے رفتہ رفتہ سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیا حسن اتفاق سے یہ سوداگر انگریز تھے جنکی ملازمت مین کچھ انگریزی سپاہ بھی تھی۔

اب اسکو غیر ملکی "فتح" نہین کہہ سکتے البتہ اندرونی انقلاب کہہ سکتے ہین۔ کسی ملک مین جب حکومت کو زوال ہوتا ہے اور بدامنی کا دارودورہ شروع ہو جاتا ہے تو عام قاعدہ یہی ہے کہ ملک کی باقی ماندہ منظم قوتون مین زور آزمائی شروع ہو جاتی ہے اور جو سب سے زیادہ زبردست ثابت ہوتی ہے وہ اپنی حکومت قائم کر لینے مین کامیاب ہو جاتی ہے۔ مثلاً فرانس مین جب مجلس باربن (Bourbon) کو

زوال ہوا تو پیرس کی میونسپلٹی نے جو برسر اقتدار تھی سلطنت کی عنان اپنے ہاتھ مین لے لی۔ اور پھر تھوڑے ہی دنون بعد جب اسکو زوال ہوا تو بوناپارٹ نے اپنی فوجی حکومت قائم کر لی۔ ہندوستان بھی ۱۷۵۰ء مین سلطنت مغلیہ کے انحطاط کیوجہ سے بدامنی مین مبتلا تھا۔ یہ انحطاط ۱۷۰۷ء مین اورنگ زیب کی وفات کے بعد سے شروع ہوا۔ ہر جگہ چھوٹے چھوٹے صاحب اثر سردارون نے منظم ہو کر برسر اقتدار ہونا چاہا۔ یہ طاقتین عام طور سے جیسا کہ ہندوستان کا دستور تھا، کرایہ کے سپاہیون پر مشتمل تھین جو یا تو کسی مغلیہ صوبہ کے گورنر کی ماتحتی مین ہوتین یا کسی صاحب اختیار اور دلیر لیڈر کی سرکردگی مین یا کسی مقامی قوت کی زیر قیادت جو مغلون کے استیلا سے قبل موجود تھی اور جسنے کبھی پوری طرح انکی سیادت کو تسلیم نہین کیا مین ہر قوت کی ایک ایک مثال دونگا مثلاً حیدرآباد کی ریاست، اسکو نظام نے قائم کیا جو شاہان مغلیہ کا ایک صوبہ دار تھا۔ ریاست میسور، اسکی بنا حیدر علی نے ڈالی جو ایک بہادر مسلمان سپاہی تھا۔ مرہٹون کی طاقت کا بانی پیشوا تھا، یہ ایک برہمنی طاقت تھی اور قدیم ہندوستان کی حالت کو پیش کرتی تھی۔ لیکن یہ سب کی سب طاقتین کرایہ کے سپاہیون پر بھروسہ کرتی تھین ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتین لوٹ و غارتگری کرتی پھرتین۔ شاید یورپ نے کبھی یہ صورت نہین دیکھی۔ البتہ کارولنگین امپائر (Carolingian Empire) کی شکست کے موقع پر ایسی ابتری رونما ہو گئی تھی۔

نئی طاقتون کے عروج کے لئے یہ صورت حالات البتہ خاص طور سے معاون تھی۔ دوسری صورتون مین فتح کیلئے ضروری ہے جیسا کہ مین نے کہا ہے، کہ ایک زبردست قوت اپنے ہاتھ مین ہو۔ کوئی شخص تاوقتیکہ اسکے پاس منظم حکومت اور فوج نہ ہو فتح کا منصوبہ نہین کر سکتا۔ لیکن چونکہ یہان حالات مختلف تھے لہذا اسکے اسباب بھی مختلف ہو گئے۔ حیدر علی کے پاس سوائے اسکے دل و دماغ اور قوت بازو کے کچھ نہ تھا مگر وہ سلطان میسور ہو گیا۔ کرایہ کے سپاہی ہر جگہ تھے اور جو شخص انکا منہ روپیون سے بھر دیتا یا اپنے رعب و طاقت سے اپنا طرفدار کر لیتا وہ اسکی ملازمت مین آجاتے۔ اور جس کسی کے پاس ایسی فوج ہوتی وہ ہندوستان کے زبردست سے زبردست صاحب اختیار کا ہمسر بن جاتا کیونکہ حکومت کی شکست کے وقت صرف فوجی قوت ہی ایک قوت باقی رہ جاتی ہے۔

اب ان مختلف مقامی طاقتون مین اگر کوئی طاقت تھی جو ایسے مخصوص حالات مین سلطنت قائم کرنے مین کامیاب ہو سکتی تھی تو وہ ان سوداگرون کی تھی جنکی ساحلی شہرون مین کوٹھیان تھین۔ بلاشبہ وہ غیر ملکی تھے، لیکن، جیسا کہ مین نے بیان کیا ہے، غیر ملکی ہونا ہندوستان مین کوئی مضائقہ نہین تھا۔ ہندوستان کی بیشتر سلطنتین غیر ملکی تھین شاہان مغلیہ خود غیر ملکی تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس حیرت انگیز خوش نصیبی کی بڑی توصیف کیجاتی ہے۔ بیشک یہ صحیح ہے کہ اس قسم کی خوش نصیبی کی گذشتہ مثال نہین ملتی اور اسی وجہ سے اسکے امکان کے متعلق پیشین گوئی کسی کو خیال نہین ہو سکتا تھا۔ لیکن چونکہ اسکی توجیہ دشوار نہین ہے اور اسکے اسباب بالکل ظاہر ہین اسلئے اسکو معجزہ نہین کہہ سکتے ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس واقعی کچھ سرمایہ تھا، اسکے قبضہ مین دولت بھی، سمندر تھا، اسکے پاس دو تین قلعے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایک کمپنی تھی جسکے لڑائی مین مارے جانے یا کسی بیماری سے مرنے کا مطلق اندیشہ نہین تھا۔ ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ ایک معمولی حیثیت کا شخص اٹھتا ہے اور بڑی بھاری سلطنت کا مالک بن جاتا ہے لیکن ہمکو تعجب نہین ہوتا کیونکہ اسلئے کہ اکثر ایسا ہوا کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اس سے زیادہ قابل تعجب ہے۔ کارسیکا (Corsica) کا ایک غریب نواب تھا اسکے چھوٹے لڑکے نے صرف استبدادی قوت کی مدد سے یورپ کے غالب حصے کو

اپنے قابو مین رکھا۔ کیا یہ واقعہ ایسٹ انڈ کمپنی کے ہندوستان فتح کرنے سے زیادہ حیرت خیز نہین ہے؟ بونا پارٹ تے بغیر کسی رفیق اور بغیر ایک پیسہ کے سلطنت قائم کر لی۔ لیکن ۲۰ سال سے کم کی مدت مین اسکو کھو بھی دیا۔ اسی طرح حیدر علی سندھیا یا ہلکر کا عروج زیادہ تعجب خیز تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے زیادہ انکو اپنے عروج کیلئے قسمت کا مرہون منت ہونا پڑا۔ مین چاہتا ہون کہ تم اس واقعہ کو بالکل الگ ایک مخصوص حیثیت سے دیکھو۔ یہ ایک ریاست کی دوسری ریاست پر فتح نہین تھی۔ اسمین دو حکومتین کم از کم براہ راست متعلق نہین تھین اور نہ ہی اس کا رشتہ کسی غیر ملکی کے ہاتھ مین تھا۔ یہ ہندوستان کی سوسائٹی مین ایک اندرونی انقلاب تھا اور اسکو اُن ناگہانی حکمت عملیون یا تغلب و تصرف سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو کسی جماعت کی اندرونی بےچینی کو ختم کرے۔ آؤ ایک لمحہ کے لئے ہم فرض کر لین کہ سوداگر جو صاحب اثر و نفوذ بن بیٹھے اجنبی نہین تھے۔ اس سے واقعہ کی نوعیت مین کوئی فرق نہین آئیگا۔ فرض کر لو کہ بمبئی مین کچھ پارسی سوداگر تھے جب انھون نے اپنی تجارت کو بدامنی سے نقصان پہونچتے دیکھا تو یک جہت ہو کر کچھ قلعے بنا لئے اور فوجین بھی فراہم کر لین اور بعد ازان خوش قسمتی سے انھون نے اچھے اچھے جنرل بھی مقرر کر لئے۔ اس صورت مین اُنکے ساتھ بھی یہی بکسر اور پلاسی کا معاملہ پیش آتا اور وہ بھی شاہان مغلیہ سے کسی صوبہ کی دیوانی حاصل کرنے مین کامیاب ہو جاتے جو اُنکی سلطنت کی بنیاد ہوتی اور ایک وقت مین سارے ہندوستان پر پھیل جاتی۔ لہذا اس صورت مین بھی واقعہ مادی طور سے وہی ہوتا لیکن اُسوقت وہ اپنی اصلی روشنی مین دکھائی دیتا اور ہم اسکو اندرونی انقلاب سے تعبیر کرتے کیونکہ عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ ایک جماعت اپنے وجود کو معرض خطر مین دیکھکر بدامنی فرو کرنیکی کوشش کرتی ہے۔

اگر ایسا ہوا ہوتا تو کوئی تعجب نہ ہوتا۔ پھر اس لحاظ سے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا عروج بہت ہی کم قابل تعجب ہونا چاہئے کیونکہ کمپنی مذکور کا قریبی تعلق یورپ سے تھا جہان سے وہ بوقت ضرورت فوجی امداد طلب کر سکتی تھی جو ظاہر تھا کہ ہندوستانی فوج سے زیادہ لائق اور قواعد دان تھی۔ ڈوپلے نے جسنے ہندوستان کی فتح کا ایسا صاف اصول دریافت کیا محسوس کر لیا کہ ہندوستانی فوج یورپین فوج کے سامنے ایک لمحہ نہین ٹھہر سکتی لیکن اُسنے یہ بھی اندازہ کر لیا کہ ہندوستانیون مین یورپین ڈسپلن قبول کرنے اور یورپین قابلیت کیساتھ جنگ کرنیکی پوری استعداد موجود ہے بشرطیکہ انکو تعلیم دی جائے۔ یہ تھی وہ کنجی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ مین تھی جسکی بدولت اُسنے ہندوستان کی مختلف طاقتون مین نہ صرف اپنے وجود کو قائم رکھا بلکہ ان پر غلبہ بھی حاصل کیا۔ یہ غلبہ کسی ناقابل انتقال جسمانی یا اخلاقی برتری کے سبب نہین تھا، جیسا کہ ہم خیال کرتے ہین، بلکہ فوجی تنظیم و تربیت کے سبب سے تھا اور یہ باتین ہندوستانیون مین بھی پیدا کی جا سکتی تھین۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے ایک بڑی سہولت اور بھی تھی۔ یہ تو یقینی ہے کہ وہ سلطنت انگلیشیہ کی نمائندہ نہین تھی، لیکن انگلینڈ کے ساتھ اسکا تعلق اُسکے حق مین بہت کارآمد تھا۔ بیشک روپیہ اور آدمیون کی فراہمی، جنکی بدولت ہندوستان فتح ہوا، خاص کمپنی کے ذمہ تھی، لیکن چونکہ شاہی فرمان کی رو سے وہ ہندوستان اور چین کی تجارت کی واحد اجارہ دار تھی اسلئے سلطنت انگلشیہ اور پارلیمینٹ کو اس کیساتھ دلچسپی کا ہونا قدرتی تھا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ انگریزی قوم نے ان معرکہ آرائیون کو انگلینڈ اور فرانس کی باہمی جنگ کی حیثیت سے دیکھا اور بڑی خوشی سے ان مین امداد بھی کی۔ یہ واقعہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے لیکن اکثر اس پر کافی غور نہین کیا جاتا۔ ہندوستان مین انگریزی فتح کی ابتدا کمپنی اور کسی دیسی طاقت کی باہمی آویزش سے نہین ہوئی بلکہ فرانسیسیون کی اُس خوفناک کوشش سے جو دکن پر

غلبہ حاصل کرنے کیلئے کی گئی۔ اُنھون نے حیدر آباد کی جانشینی کے معاملہ مین دخل انداز ہوکر کوشش کی کہ بمبئی اور مدراس سے انگریزونکا قدم اکھاڑ دین۔ مشرق مین ہماری پہلی بیش قدمی فرانسیسی حملہ کی مدافعت مین تھی۔ اس وقت سے ستر سال تک یعنی جب نپولین سے ہماری لڑائیان ختم ہوگئین، ہندوستان مین ہماری لڑائیان کم وبیش فرانسیسیون سے مدافعت کی شکل مین ہوتی رہین۔ اگرچہ یہ جنگین سلطنت انگلشیہ کے نام یا بُوتے پر نہین ہوئین لیکن انجام کار انکی شکل ایک حد تک قومی جنگون کی ہوگئی۔ اور ان سے انگلینڈ کو بہت گہری دلچسپی تھی۔ اسی لئے کمپنی کی فون کو بڑی حد تک شاہی فوج سے مدد دی جاتی تھی اور ۱۷۸۵ء سے جب لارڈ کارنوالس ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوکر ایک لائق مدبر کی حیثیت سے سیاسی اور فوجی معاملات کی نگہداشت کے لئے بھیجا گیا تو پارلیمنٹ مین کمپنی پر حملے، لارڈ کلائیو کے خلاف تحریک ملامت، ہسٹنگز کے خلاف تعزیری کارروائی، کمپنی کے معاملات سلجھانے کیلئے پے بہ پے کوششیں، جن سے ایک مرتبہ ۱۷۸۳ء مین انگلینڈ کی سیاسی دنیا مین ہلچل ہی مچ گئی تھی، اور اسی طرح کی دیگر کاروائیون نے ہماری ہندوستانی معرکہ آرائیون کو قومی جنگ کی شکل دیدی۔ ان وجوہ سے کمپنی کو بمنزلہ انگریزی قوم کے سمجھا جانے لگا۔ اس طریقہ سے کمپنی کو عملی طور پر یورپ کی ایک اول درجہ کی سلطنت کے اعتماد وشہرت سے تقویت پہونچ رہی تھی اگرچہ اس سلطنت نے کمپنی کی امداد ان لڑائیون مین قطعی نہین کی جنکی بدولت ہندوستان فتح ہوا۔

مہتم بالشان تاریخی واقعات کے لئے اکثر «حیرت انگیز» یا «عجیب» کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن جس آزادی کیساتھ انکا استعمال ہماری فتح ہندوستان کیلئے کیا جاتا ہے اُس آزادی کیساتھ کسی دوسرے واقعہ کیلئے نہین۔ ایک واقعہ حیرت انگیز یا عجیب ہو سکتا ہے لیکن یہ بالکل ضروری نہین ہے کہ اُسکی توجیہہ بھی دشوار ہو ہندوستان کی فتح اس معنی مین البتہ نہایت حیرت انگیز ہے کہ اسکی نظیر گذشتہ زمانہ مین نہین ملتی، اسلئے اسکی توقع اُن لوگون کو نہین تھی جنھون نے ڈیڑھ صدی تک ہندوستان مین کمپنی کے معاملات کا انصرام کیا۔ بلاشبہہ Job charnock، Josia child یا Pitt گورنر مدراس کو (جو لارڈ چیتھم کا دادا تھا) کبھی خواب مین بھی خیال نہ ہوا ہوگا کہ ایک دن ہم پیشوا اور خود مغل شہنشاہ کے اختیارات کو سلب کر لینگے۔ لیکن یہ واقعہ اس معنی مین بالکل حیرت انگیز نہین ہے کہ اسکے حقیقی اسباب کا دریافت کرنا مشکل ہے۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد جب ہندوستان مین کوئی صاحب اختیار مرکزی حیثیت کا باقی نہین رہ گیا تھا جسکا جی چاہتا صاحب اختیار بن جاتا، جو چاہتا اپنی حکومت قائم کر بیٹھتا، اگر اسوقت ایک تجارتی کمپنی نے جسکے پاس کرایہ کی فوج رکھنے کیلئے کافی روپیہ تھا ان سورماؤن کا مقابلہ کیا اور اُنکو مغلوب کیا تو کون سا تعجب کا مقام ہے۔ خصوصًا اس صورت مین کہ اُسکے پاس یوروپین باقاعدہ فوج اور سپہ سالار تھے، اسکی پشت پر انگلینڈ کی سلری قوت تھی اور اُسکے مشیر انگریز مدبر تھے۔

مین نے جو کچھ بیان کیا اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کی فتح عام معنی مین فتح نہین تھی۔ اسلئے کہ یہ کسی سلطنت کا فعل نہین تھا، اسکو کسی سلطنت کی فوج یا روپیہ نے نہین حاصل کیا۔ مین نے یہ بات اس لئے ظاہر کردی ہے تاکہ اس بیان سے کہ انگلینڈ نے ہندوستان کو فتح کیا جو الجھن پیدا ہو وہ رفع ہوجائے۔ ہندوستان انگلینڈ سے ہزارون میل دور ہے، اسکی آبادی یورپ کے برابر ہے پھر بھی یہ فتح اس صورت مین ہوی کہ انگلینڈ کوی فوجی سلطنت نہین تھی اور نہ اس عظیم الشان فتح مین اُسنے کوئی تکلیف اور محنت برداشت کی نہ ایک پیسہ خرچ کیا۔ اس لئے اس کے معنے یہی ہون گے کہ انگلینڈ نے ہندوستان کو فتح کیا ہی نہین،

بلکہ یہ چند انگریزون کی خوش نصیبی تھی جو سلطنت مغلیہ کے زوال کے وقت حسن اتفاق سے ہندوستان مین سکونت پذیر تھے اور حیدر علی یا رنجیت سنگھ کی طرح عالی اقتدار ہو گئے۔

تاہم عملی نتیجہ کے لحاظ سے یہ واقعہ ہندوستان پر انگلینڈ کی فتح ہی ثابت ہوا۔ اسلئے کہ اب جب یہ تمام عمل مکمل ہو چکا ہے اور ایسٹ انڈیا کمپنی غائب ہو چکی ہے ہم دیکھتے ہین کہ ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند ہین اور ایک سکریٹری جو انگریزی کابینہ کا ممبر ہے اور انگریزی پارلیمنٹ مین بیٹھتا ہے ہندوستان کے نظم ونسق کا ذمہ دار ہے انگلینڈ نے بحیثیت ایک سلطنت کے ہندوستان کو حاصل نہین کیا پھر بھی اب یہ اُسکے سر پڑ گیا ہے۔ یہ ایک مثال تھی اُس عام اصول توسیع کی جو اہل یورپ کے ان تمام بیرونی مقبوضات مین کارفرما ہے جو کولمبس کے زمانہ سے برابر حاصل ہوتے رہے ہین اہل یورپ کتنے ہی دور دراز ممالک مین گھومتے، اُنکی کامیابی کتنی ہی حیرت انگیز اور عجیب ہوتی لیکن وہ کبھی یورپ مین شہریت کو ترک نہین کر سکتے تھے۔ کارٹیز (Cortez) اور پیزارو (Pizarro) نے امریکہ کی ایک ایک ریاست کو اپنے قدمون سے روند ڈالا، جہان گئے بغیر سعی و محنت کے عالی اقتدار بن گئے، اگرچہ میکسکو مین وہ مونٹیزوما (Montezuma) کی حکومت کو ذرہ برابر خاطر مین نہین لائے۔ لیکن چارلس پنجم کی سیادت سے سرتابی کرنا تو کجا اسکا خیال تک کرنیکی جرأت نہ کر سکے۔ حالانکہ چارلس پنجم کی [illegible] کے اُس بار تھا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جو فتوحات وہ اپنی ذاتی شجاعت سے بلا امداد غیرے حاصل کرتے اسپین قدرتی طور پر انھین ضبط کر لیتا یہی حال انگریزون کا ہندوستان مین ہوا ۱۷۶۵ء کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی سلطنت مغلیہ مین ایک نام نہاد علی عہدہ پر فائز تھی۔ لیکن انگریزی پارلیمنٹ دعویدار تھی کہ جو مقبوضات کمپنی حاصل کریگی وہ پارلیمنٹ کے ماتحت ہونگے۔ پارلیمنٹ کی بحثون مین مغل بادشاہون کا نام شاید ہی آتا تھا اور غالبًا یہ سوال کبھی زیر بحث نہین آیا کہ آیا وہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے صوبون کا انتظام ایک غیر ملکی حکومت کے ہاتھ مین دینا پسند کرینگے۔ کمپنی بہ یک ساعت دو سلطنتون کا جز و تھی، ایک طرف تو شاہ انگلستان کے فرمان کی رو سے وہ کمپنی تھی اور دوسری طرف مغل بادشاہ کی ماتحت ایک دیوان۔ لیکن جس طرح کارٹیز نے مونٹ زوما کو نیست و نابود کر دیا اُسی طرح کمپنی مذکور نے مغل شہنشاہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا، اور پھر چپ چاپ اپنے غیر محدود مقبوضات کو انگلینڈ کے سپرد کر دیا انجام کار جنگ پلاسی کے ایک صدی بعد کمپنی شکست ہو گئی اور خود بھی ہندوستان سے سلطنت انگلشیہ کے حق مین دست بردار ہو گئی۔

(باقی)

عبد القیوم رسا

شہاب کی سرگزشت

جناب نیاز فتحپوری کا وہ معرکۃ الآرا افسانہ جو سیرۃ نگاری، نفسیاتی تحلیل، بلندی خیال، زور تحریر، ندرت بیان، نزاکت تخیل اور قوت انشاد کے لحاظ سے ادب اردو مین ایک بالکل نئی اور نادر چیز ہے۔ اول بار اسکا مطالعہ انسان کو کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے، دوسری بار اسکا مطالعہ حقیقت سے قریب کر دیتا ہے، اور تیسری مرتبہ کے مطالعہ کے بعد انسان اسکے لذات مین بالکل غرق ہو جاتا ہے اگر پسند نہ ہو تو مطالعہ کے بعد واپس کر دیجئے اور اپنی قیمت لیجئے

معہ محصول ڈاک (۱۲؍) تین ملیگا۔

« مینجر نگار » لکھنؤ

انارکسٹ

"اور یہ"، ماہرِ جراثیم نے شیشہ کے ملے ہوئے ٹکڑوں کو خردبین کے نیچے رکھتے ہوئے کہا "یہ مشہور و معروف مرض، ہیضہ کے زہریلے جراثیم ہین، آپ سمجھے ــــ کالرا کے جراثیم!!"

اجنبی خردبین مین بغور دیکھنے لگا، وہ یقیناً اس وضع کی باتون کا عادی نہین معلوم ہوتا تھا اسلئے کہ اُسنے بالکل گنوارون کی طرح دوسری آنکھ کو اپنے ہاتھ سے ڈھک لیا اور کہنے لگا ــــــ "کچھ یونہی سا دکھائی دے رہا ہے"

"اس پیچ کو گھماؤ"، ماہرِ جراثیم نے کہا "غالباً خردبین تمھارے لئے صحیح فوکس پر نہین ہے، نگاہ مین بھی اختلاف ہوتا ہے، بس ـــــ ہان ...... ایک خفیف سی گردش، ادھر یا اُدھر ــــ اب تو صاف نظر آتا ہے؟"

"ہان بیشک اب صاف ہے"، اجنبی نے کہا "کچھ زیادہ چیزین نہین ہین، پانچ سات چھوٹے چھوٹے گلابی اور نیلے دھاگے کے سے ٹکڑے، پناہ بخدا! اور یہی حقیر ٹکڑے، یہی بے وجود ذرات مجتمع ہو کر ایک مکمل شہر کو برباد کرتے ہین ــــ کسقدر حیرت انگیز بات ہے!!"

وہ کھڑا ہو گیا اور شیشہ کے ٹکڑے کو خردبین کے نیچے سے نکال کر اپنے ہاتھ کو کھڑکی کی روشنی مین بڑھا دیا۔

"کچھ نظر نہین آتا"، اُسنے شیشہ کو بغور دیکھتے ہوئے ذرا تامل سے کہا "کیا یہ زندہ ہین اور اب بھی خطرناک ہین؟"

"جی نہین، انھین تجربہ کیلئے ہلاک کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے ہم اسی طرح دُنیا کے تمام جراثیم کو ہلاک کر سکتے!"

"میرے خیال مین تو شاید آپ اپنے گھر مین ایسی چیزین زندہ اور اصلی حالت مین بھی رکھنے کے عادی ہونگے اور مطلق خوف نہ کرتے ہونگے"، اجنبی نے ذرا مسکراتے ہوئے کہا۔

"بلکہ یون کہئے کہ ہم ایسا کرنے پر مجبور ہین، مثلاً یہان"، وہ ایک المار ی کی طرف بڑھا اور سر بمہر نلکیون کی ایک قطار مین سے ایک نلکی اُٹھا کر کہنے لگا،

"یہ زندہ چیز موجود ہے، مرض کالرا کے اصلی زندہ اور متحرک جراثیم! ـــــ یعنی سربند خطرناک مرض ہیضہ! کیا سمجھے؟"

"جی! ہیضہ!!" اجنبی نے جسم مین ایک کپکپی محسوس کرتے ہوئے نلکی کو دیکھ کر کہا "خدا کی پناہ، پروفیسر صاحب آپ نہایت خطرناک ہین!!"

ماہرِ جراثیم نے نووارد کے چہرہ کے تغیرات کو غور سے مطالعہ کیا، یہ شخص اُسکے ایک نہایت ہی گہرے دوست کا تعارفی رقعہ لیکر تجربہ گاہ دیکھنے کی غرض سے آیا تھا۔ اُسکی پھٹی پھٹی آنکھین، سیاہ اور بے ترتیب بال، گھبرائی ہوئی صورت، پریشان انداز، خود ساختہ حیرت، بناوٹی خوف ــ یہ وہ تمام باتین تھین جنکو ماہرِ جراثیم شبہ کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اُسکے دوست نے اجنبی کو سائنس کا محض مبتدی طالبعلم ظاہر کیا تھا۔ جس خوفناک موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی اُسکے لحاظ سے ہر اجنبی غیر معمولی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہین رہ سکتا تھا۔ مگر اجنبی کی

حیرت سے ایک قسم کا اطمینان ظاہر ہو رہا تھا اور یہی بات مشتبہ تھی۔

یکایک ماہر جراثیم نے نلکی کو اپنی نگاہون کے سامنے کرتے ہوئے کہا "بیشک! انسانی تباہی اور بربادی اس نلکی مین بند ہے۔ اس چھوٹی سی نلکی کو صرف شہر کے مرکزی آبیار مین توڑ دیجئے اور ان حقیر، غیر محسوس، زندہ جراثیم سے جو آلۂ خوردبین کی پوری قوت سے محض ذرات نظر آتے ہین، اور جنھین نہ شامہ محسوس کرتا ہے نہ ذائقہ اتنا کہدیجئے ——— (جاؤ) بڑھو، پھیلو، اور ہر پانی پر اپنی حکومت قائم کرلو،" ——— آپ دیکھینگے کہ موت، پُراسرار، نامعلوم موت!! نامحسوس، بلائے بے درمان موت!! خونخوار کرب افزا موت!! تمام شہر پر مسلط ہو جائیگی، اور ہر ممکن ناممکن گوشہ تک اسکی رسائی ہو جائیگی۔ کہین وہ خاوند کو بیوی سے اور بچہ کو مان سے جُدا کردیگی، کہین مدبر کو اُسکے فرض سے اور مزدور کو اُسکے مصائب سے چھڑا دیگی۔ وہ پانی کے نلون سے گذریگی، سڑکون پر چھاپےماریگی، گھرون مین بے تکان گھس جائیگی اور ہر اُس شخص کی زندگی اُسکا ٹیکس ادا کریگی جو اُبلا ہوا پانی پینے کا عادی نہین ہے۔ وہ کنوؤن مین پہونچ جائیگی، ترکاریون مین سرایت کر جائیگی، اور برف مین منجمد ہو جائیگی

وہ مویشیون کے حوضون مین، پارک کے چشمون مین، جابجا صرف جانداروں کے حلق تک پہونچنے کا انتظار کرتی ہوگی۔ بازمین مین جذب ہو کر صدہا ایسے چشمون اور کنوؤن مین نمودار ہو جائیگی، جہان اسکی موجودگی کا کسی طرح قیاس بھی نہین کیا جاسکتا ———

غرض صرف ایک مرتبہ اُسے شہر کے آبیار تک پہونچا دیجئے، پھر قبل اسکے کہ دوبارہ اُسے گرفتار کیا جاسکے وہ اس دُنیا کے سب سے بڑے شہر کو آبادی سے بے نیاز کردیگی"

وہ یکایک رُک گیا اور جواب کا انتظار کئے بغیر خود ہی کہنے لگا "لیکن یہان یہ بالکل مقید ہے، قطعًا بے بس، عضو معطل، آپ سمجھے ——— ہم بالکل محفوظ ہین،" اجنبی نے سر کی جنبش سے اقرار کیا، اُسکی آنکھون مین ایک قسم کی چمک پیدا ہوئی۔ لیکن صرف کھانس کر رہ گیا۔

"یہ انارکسٹ، بدمعاش ——— بالکل بیوقوف ہین، قطعًا اندھے ہین جو اس قسم کی چیزین موجود ہونیکے باوجود بم استعمال کرتے ہین میرے خیال مین تو ...."

زنجیر چھوٹنے کی ایک ہلکی سی جھنکار، اور دروازہ کُھلنے کی ایک خفیف سی آواز کمرے کے مشرقی گوشہ مین پیدا ہوئی، ماہر جراثیم نے پلٹ کر دیکھا۔

"صرف ایک منٹ کیلئے ہو جاؤ!" اسکی نوعمر بیوی نے دروازے سے جھانکتے ہوئے کہا۔

جب وہ دوبارہ اپنی تجربہ گاہ مین داخل ہوا تو اجنبی اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔

"معاف کیجئے گا، مجھے مطلق خیال نہ رہا اور مینے آپکا ایک گھنٹہ ضائع کر دیا۔ چار بجنے مین صرف بارہ منٹ باقی ہین۔ مجھے ساڑھے تین بجے روانہ ہو جانا چاہئے تھا، لیکن آپکے دلچسپ لیکچر مین محو ہو گیا، اب اجازت دیجئے، وقت مین بالکل گنجائش نہین ہے، مجھے چار بجے ایک دوست سے ملنا ضروری ہے"

اجنبی شکریہ ادا کرتا ہوا کمرے سے گذر گیا، ماہر جراثیم دروازہ تک اُسے پہونچا کر خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے مین واپس آگیا، وہ اپنے ذہن مین نووارد کی ظاہری شکل و شباہت پر تبصرہ کر رہا تھا۔

"عجیب آدمی تھا" اُسنے زیر لب کہا "یقیناً خطرناک! وہ زہریلے جراثیم کا بیان کتنی دلچسپی سے سُن رہا تھا اور شیشی کو کیسی للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا" کسی بیچین خیال کے ماتحت وہ یکایک اُٹھا - دود کش کے پاس بینچ پر جھک کر کچھ دیکھا، تیزی سے جھپٹ کر اپنی میز پر کچھ ڈھونڈا، جیبون مین ہاتھ ڈال کچھ ٹٹولا اور بھاگ کر دروازہ پر آ گیا۔

"غالباً مینے اُسے بڑے کمرے کی میز پر رکھ دیا ہے" اُسنے ذرا اونچی آواز سے کہا "منی!" ——— "جی!" کہین دور سے ایک زنانی آواز آئی۔

"مین ابھی جب تمسے بات کرنے آیا تھا، تمنے میرے ہاتھ مین کوئی چیز تو نہین دیکھی سچ بتا دو پیاری منی! جلدی بتا دو!"

"کچھ نہین، پیارے جان! خیریت تو ہے؟"

"تباہی! بربادی!" ماہر جراثیم نے کہا اور بدحواسی کے ساتھ دروازہ کی طرف دوڑا، ایک لمحہ بعد وہ شارع عام پر تھا، منی نے دروازہ کھُلنے کی آواز سُنی اور کسی نامعلوم خطرے کے خیال سے بھاگ کر کھڑکی مین سے جھانکنے لگی سڑک پر ایک نحیف الجثہ، بدوضع سا آدمی ایک کرایہ کی گاڑی مین سوار ہو رہا تھا، اُسکا خاوند ننگے سر، سلیپر پہنے ہوئے مجمع کو چیرتا ہوا بدحواسی سے گاڑی کی طرف دوڑ رہا تھا۔ ایک سلیپر اُسکے پیر سے نکل کر سڑک پر رہ گئی تھی مگر اُسے مطلق پرواہ نہ تھی۔

"خداوندا! یہ دیوانہ تو نہین ہو گیا ہے، سائنس نے اسکا دماغ تو خراب نہین کر دیا ہے" منی دل ہی دل مین کہہ رہی تھی۔

وہ کھڑکی کھول کر اُسے پکارنے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ اجنبی نے اپنے چارون طرف نگاہ ڈالی، اور بالکل اُسی قسم کی دماغی خرابی کا اثر اُسکی صورت سے ظاہر ہونے لگا جسمین اُسکا خاوند مبتلا معلوم ہوتا تھا۔ اُسنے ایک لایعنی سا اشارہ ماہر جراثیم کی طرف کیا اور گاڑی والے کے کان مین کچھ کہا۔ گاڑی کا دروازہ بند ہوا، چابک مارنے کی مسلسل آواز سُنائی دی، گھوڑے کی ٹاپ سڑک پر گونجی اور ایک لمحہ بھر مین گاڑی آگے آگے اور ماہر جراثیم دیوانون کی طرح ننگے سر ننگے پاؤن پیچھے پیچھے دوڑتے ہوئے سڑک پر دکھائی دئیے اور موڑ پر پہونچکر دونون نگاہ سے غائب ہو گئے ———

منی تقریباً ایک منٹ تک کھڑکی سے جھانکتی رہی اور پھر کمرے مین واپس آ گئی وہ بیحد متحیر تھی۔

"جان حد سے زیادہ مذاق پسند ہے!" اُسنے دل ہی دل مین سوچا "مگر اس زمانہ مین، دن دھاڑے ایک شریف آدمی کا ننگے سر ننگے پاؤن لندن کی شارع عام پر دوڑ لگانا! کتنی شرمناک حرکت ہے!؟"

ایک روشن خیال اُسکے دماغ سے گذرا، اُسنے تیزی سے اپنی ٹوپی اوڑھی، خاوند کے جوتے لئے، ہال مین آئی اور کھونٹیون پر سے اُسکا ہیٹ اور کوٹ اُتارا۔ دروازہ پر پہونچی اور ایک گاڑی کو جو خالی سڑک پر سے گذر رہی تھی کرایہ کر لیا۔

"سیدھے سامنے والے راستہ پر چلو وہان سے ہیولاک کریسنٹ پر موڑ لو اور راستہ مین ایسے شخص پر نگاہ رکھو جو ہاف کوٹ پہنے ہوئے ننگے سر ننگے پیر بھاگ رہا ہو!"

"ہاف کوٹ پہنے ہوئے ننگے سر ننگے پیر؟ - بہتر ہے، معزز خاتون! ابھی لو" یہ کہکر کوچبان نے گھوڑے کو چابک لگایا اور کچھ اس اطمینان سے گاڑی بڑھائی گویا تمام زندگی اسی پتہ پر گاڑی ہانکنے مین بسر ہوئی ہے - چند منٹ بعد تانگہ والون اور آوارہ لوگون کے ایک مجمع نے جو ہیورسٹاک ہل کے

اڈے پر جمع رہتے ہیں بڑے تعجب سے ایک گاڑی کو گذرتے دیکھا جسکی طوفانی رفتار میونسپلٹی کے قانون سے بے نیاز معلوم ہوتی تھی

جب تک گاڑی گذری سب خاموش رہے، اُسکے بعد ایک بیفکرے نے کہا "ابے یار دیکھا تُنے ہکّو کو! کس شان سے ہانک رہا تھا"، "ترّاتڑ چابک مار رہا ہے مرا یار،........ وہ مُڑ گیا!" دوسرے نے کہا "اور یہ ایک اور پاگل آرہا ہے!—— یہ اُس سے بھی تیز ہے" تیسرے نے کہا "ارے—— یہ تو چچا جان ہیں، تو نے ٹھیک کہا یار، یہ ضرور کسی کو پاگل خانہ لئے جارہا ہے!" چوتھے نے کہا۔

"میرے خیال میں تو یہ ہکّو کا پیچھا کررہا ہے" پہلے نے کہا

یہ خیال آتے ہی اڈے کے تمام تانگے والے بے ترتیبی سے چلانے لگے۔

"سرپٹ چھوڑدے ہکّو"—— "بھاگ چچا، بھاگ!!" "گردن پہ مار گردن پہ!!"—— "آج اسی دوڑ پہ فیصلہ ہے!"—— "دیکھ رے رہ گیا ہے تھوڑی سی دور!!"

"یہ لو، اور آمد!!" ایک نے پیچھے مڑکر کہا

"سمجھ میں نہیں آتا یار، آج کیا ہیمپسٹیڈ میں سارے گاڑی والے پاگل ہوگئے ہیں یا انکی کوئی شرط ہوئی ہے؟" دوسرا بولا

"ابکی دفعہ سبزے والے کی باری ہے" تیسرا بولا

"اسمیں تو کوئی عورت ہے!—— ہاں ہم سمجھ گئے اگلا آدمی بہت خوش قسمت ہے اور اسکے ہاتھ میں یہ کیا ہے یار؟"

پانچواں بولا

بھگوڑے عاشق کی ٹوپی!" پہلے نے جواب دیا

"کتنی شوخ تیزی ہے!!—— چچا جان سچ سی تو ٹھیک ایک اور تین کی نسبت ہے۔ہا۔ہا۔ہا—— ہاہاہا!!"

منی جسوقت اس مجمع کے پاس سے گذری تو متفقہ طور پر اُسکے گھوڑے کو سراہا گیا اور عام طور پر تالیاں بجائی گئیں۔ اُسے بہت ناگوار گذرا لیکن اپنے فرض سے مجبور تھی۔ وہ ایک طوفانی رفتار سے ہیور اسٹاک ہل، سی۔ ٹی ہائی اسٹریٹ وغیرہ سے گذر گئی۔ اُس کی آنکھیں بوڑھے جارج کی پُشت پر لگی ہوئی تھیں جو اُسکے خاوند کو اپنی صبا رفتار گاڑی میں اُڑائے لئے جارہا تھا

سب سے اگلی گاڑی میں جو شخص بیٹھا تھا وہی سب سے زیادہ مضطرب نظر آرہا تھا۔ اُسکے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند تھیں جنمیں سے ایک کے اندر جراثیم کی تباہ کُن نلکی تھی۔ اُسکے چہرہ پر خوف اور پریشانی کی علامتیں نمودار تھیں بالخصوص وہ اسوجہ سے زیادہ پریشان تھا کہ اپنا کام کرنے سے پہلے کہیں گرفتار نہ ہوجائے۔ اسی پریشانی کے ساتھ اُسے خوف بھی تھا اور وہ صرف اپنے سنگین، وحشیانہ اور ہولناک جرم کے خیال سے۔

"کوئی انارکسٹ مجھ سے قبل اس عجیب و غریب طریقہ کار کو معلوم نہیں کرسکا کسی کے سر ایسی شاندار فتح کا سہرا نہیں بندھ سکا" وہ اپنے ذہن میں سوچ رہا تھا "اوکل، ویلائینٹ اور تمام مشہور و معروف ہستیاں جو انارکی میں شہرۂ آفاق ہوچکی ہیں اُسکی نگاہوں میں حقیر معلوم ہوئی تھیں، صرف شہر کے مرکزی آب بار کو معلوم کرنا اور اُسمیں شیشہ کی نلکی کو توڑنا شرط تھا، پھر کیا تھا، پھر تو وہ تمام راجیوں کا متفقہ بادشاہ تھا۔

اُسنے جس ذہانت کے ساتھ سازش کو مرتب کیا تھا وہ یقیناً قابلِ داد تھی۔

تعارف کیلئے جعلی خط بنانا، تجربہ گاہ مین داخل ہونا، ماہر جراثیم کو دھوکہ مین ڈالنا، اور معہ نلکی کے تجربہ گاہ سے نکل آنا:۔

"اب دُنیا یقیناً میرا نام سینگی" اُسنے ایک کامیابی کی سانس لیتے ہوئے کہا "یہ تمام لوگ جو مجھسے نفرت کرتے رہے ہین، مجھے پس پشت ڈالتے رہے ہین، دوسرون کو ترجیح دیتے رہے ہین، میری محبت کو بار سمجھتے رہے ہین، بالآخر میری اہمیت کا اندازہ کرلینگے، موت! موت!! صرف موت!!! ——— اُنھون نے ہمیشہ مجھے فضول اور بیکار آدمی سمجھا ہے، تمام دُنیا مجھے پس پشت ڈالنے کے لئے ساز باز کررہی تھی۔ اب مین بتادونگا کہ ایک شخص کو تنہا چھوڑدینا، اُسکی قدر نہ کرنا کیا مصیبت لاسکتا ہے!"

"یہ کونسی سڑک ہے؟ ——— سینٹ اینڈریو...... بیشک! دوڑ کا کیا نتیجہ رہا؟" اُسنے کھڑکی سے سر نکالکر پشت کی طرف دیکھا، ماہر جراثیم مشکل سے پچاس گز پیچھے تھا۔ "یہ بُرا ہوا، افسوس! اب مین پکڑا جاؤنگا اور ساری اُمیدون پر پانی پھر جائیگا اُسنے اپنی جیب ٹٹولی اور نصف گنی کا ایک سکّہ نکالکر ڈرائیور کی مٹھی مین دیدیا۔ "اور انعام ملیگا۔ بھگائے چلو اور صرف پچھلی گاڑی کے گھوڑے کو تھکادو!!" اُسنے چلّاکر کہا

"بہت اچھا حضور!" ڈرائیور نے گنی کو جیب مین ڈالتے ہوئے دو تین چابک لگائے

کھڑکی کا کھُلا ہوا کواڑ کسی چیز سے ٹکرایا، گاڑی ڈگمگائی اور انارکسٹ نے تختہ پکڑنے کے لئے بیساختہ وہ ہاتھ بڑھادیا جس مین جراثیم کی نلکی تھی۔

نلکی ٹوٹ گئی، شیشی کا آدھا حصہ گاڑی کے تختون پر اُسکے پیر کے برابر آگیا۔ انارکسٹ کے مُنہ سے بیساختہ آہ نکلی اور اپنی جگہ پر ساکت رہ گیا، اب وہ ایک ایسی مایوسانہ نگاہ سے جسمین بے بسی جھلک رہی ہو سیال مادہ کے اُن دو تین قطرون کو جو گاڑی کے تختہ پر بکھر گئے تھے دیکھ رہا تھا۔

"خیر!" کچھ دیر بعد اُسنے کانپتے ہوئے کہا "پہلا شکار مین ہی سہی، کچھ پرواہ نہین، بہرحال شہید ہونا بھی ایک عزت ہے، تاہم....

...... یہ نہایت ہی بے موقعہ موت رہی، خدا معلوم یہ چیز اسی قدر مہلک ہے یا نہین جسقدر بتلایا جاتا ہے"

اُسے ایک فوری خیال آیا اور اپنے پیرون کے درمیان کوئی چیز ٹٹولنے لگا، ایک چھوٹا سا قطرہ اب بھی ٹوٹی ہوئی نلکی مین باقی تھا وہ اُسے بلاتامل پی گیا "اب جسقدر میری موت یقینی ہے اُس قدر جراثیم کا پھیلنا بھی لازمی ہے" اُسنے دل ہی دلمین کہا اور ماہر جراثیم کا خیال آیا جس سے بچنا زائد از ضرورت معلوم ہوتا تھا، چنانچہ ولنگٹن اسٹریٹ مین اُسنے ڈرائیور سے گاڑی رُکوالی اور اُتر پڑا

زمین پر اُسکا پیر پڑتے ہوئے ڈگمگا رہا تھا اور سر چکرا یا جاتا تھا۔ اُسنے گاڑی والے کو رخصت کردیا اور سینہ پر دونون ہاتھ رکھکر ماہر جراثیم کے انتظار مین سڑک پر کھڑا ہوگیا۔ اُسکے چہرے سے جلال اور آنکھون سے شاہانہ رُعب ٹپک رہا تھا، فوری موت کے خیال نے اُسے ہر نوع شاندار بنادیا تھا۔

"زندہ باد۔ مزاج!!"

"دوست تمھاری آمد بعد از وقت ہے میں اُسے پی گیا ——— ہیضہ پھیل چکا ہے!" ماہر جراثیم نے اپنا چشمہ درست کر کے تعجب سے اُسے دیکھا ——— "پی گئے!

اچھا کیا۔ تم انار کسِٹ تھے، مجھے اب معلوم ہوا" ...... وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر کہتے کہتے رک گیا اور تبسم اُسکے ہونٹوں کے نقطہ اتصال پر کھیلنے لگا اُسنے دینی گاڑی کا دروازہ اُترنے کے لئے کھولنا چاہا مگر انار کسِٹ نے ڈراما کے مخصوص انداز میں اشارے سے "الوداع" کہا اور پشت پھیر کر آہستہ آہستہ واٹر لو برج کی طرف چل دیا۔ مرض پھیلانے کیلئے وہ اپنا جسم سڑک سے گذرنیوالے ہر آدمی سے قصداً مس کرتا ہوا جا رہا تھا ماہر جراثیم اُسکے خیال میں اس قدر منہمک تھا کہ منی کے یکایک سامنے آجانے پر اُسنے مطلق اظہار تعجب نہ کیا وہ پیار کے لہجہ میں اُس سے کہنے لگا

"پیاری منی تمنے بہت اچھا کیا کہ میرے جوتے اور ٹوپی لیتی آئیں" اور بدستور انار کسِٹ کو دور سڑک پر جاتے ہوئے دیکھتا رہا!

"تم بیٹھ جاؤ!" اُنھنے اُسی طرح سڑک کی طرف تکتے ہوئے کہا منی کو اب یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اُسکا خاوند حواس خمسہ کھو چکا ہے چنانچہ اُسنے گاڑی میں بیٹھ کر مایوسی کے لہجہ میں ڈرائیور کو گاڑی ہانکنے کا حکم دیا۔

"میرے جوتے؟ پیاری منی!" پروفیسر نے اپنی بیوی سے دریافت کیا گاڑی مڑ گئی اور دُور سڑک پر سیاہ چیز جو رفتہ رفتہ آدمیوں کے ہجوم میں غائب ہوتی جا رہی تھی گھوڑے کی آڑ میں آگئی ——— پروفیسر بے ساختہ قہقہے لگانے لگا۔

"یہ ایک ہی ہوئی ——— حالانکہ ......!"

"منی تمھیں معلوم ہے کیا ہوا؟ سنو! یہ آدمی آج تیسرے پہر مجھ سے ملنے کیلئے آیا، جانتی ہو کون ہے؟ انار کسِٹ! ...... چیخنے چلانے کا کام نہیں، خاموشی سے سُنتے جاؤ! ورنہ اسطرح میں باقی ماندہ قصہ نہیں کہہ سکتا ...... سمجھ گئیں۔ میں اُسے متحیر کرنا چاہتا تھا، یا یوں کہو کہ بیوقوف بنانا چاہتا تھا، مگر مجھے مطلق علم نہ تھا کہ یہ انار کسِٹ ہے۔ بالکل اطمینان سے مینے جراثیم کی وہ نلکی اُسے دکھائی جس کے بارے میں مینے تمسے تذکرہ کیا تھا کہ بندروں کے جسم پر نیلے دھبے ڈال دیتی ہے اور وہ آپس میں خوب لڑتے ہیں مگر مینے اُسے بالکل بیوقوف بناتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ اس میں ایشیائی ہیضہ کے زندہ جراثیم بند ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُسے لیکر لندن کے تمام پانی میں زہر ملانے کی غرض سے بھاگ گیا مینے اُسکا پیچھا اس لئے کیا کہ اس میں دو تین اجزا نہایت کمیاب ہیں اور تیل کے ساتھ ملکر انتہائی زہریلے جراثیم بنا دیتے ہیں۔ بہر حال وہ اُس مادہ کو پانی میں ملا کر بھی کم از کم اس مہذب شہر کی تمام زندہ چیزوں کو نیلا ضرور بنا دیتا۔ مگر اچھا ہوا کہ وہ خود ہی اُسے پی گیا معلوم نہیں اب کیا ہوگا لیکن تمھیں یاد ہے اس سے وہ کُتیا نیلی ہو گئی تھی، اُسکے بچوں پر نیلے داغ پڑ گئے تھے اور چڑیا کے گہرے آسمانی پر نکل آئے تھے۔ یہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا۔ مشکل یہ ہے کہ اب مجھے دوبارہ اسے تیار کرنے کی زحمت اُٹھانی پڑیگی۔

اور ہاں، تم یہ گرم کوٹ کیوں لائی ہو؟ کیا میں اسے پہنوں؟ ——— کیوں؟ اسلئے کہ راستہ میں مسز جیبر نہ مل جائیں ——— پیاری منی! مسز جیبر ایسی نہیں ہیں لیکن پھر بھی کیا مجھے مسز جیبر کے ڈر سے کوٹ پہننا ——— اچھا لو ......"

(ایچ-جی-ویلس)

طالب باغپتی

تصوف اسلام پر ایک مورخانہ نظر

(بہ سلسلۂ سابق)

ڈاکٹر ابر کرامبی[1] اور اسکے نظریات خواب

عالم رویا مین دماغی کیفیت کو دو مفصلۂ ذیل حصون مین تقسیم کر سکتے ہین،

(۱) وہ خیالات جو دماغ مین ظاہر ہوتے ہین ؛ اپنے وجود حقیقی ہونے کا یقین دلاتے ہین، اور عالم بیداری کی طرح جب ہملوگ اپنے خیال کو اشیائے موجود فی الخارج سے مقابلہ کرتے ہین تو یہ یقین صحیح نہین ہوتا،

اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم رویا مین جو صورتین ظاہر ہوتی ہین وہ حقیقی معلوم ہوتی ہین، مثلاً خواب مین ہملوگ کوہ ودشت، چٹیل میدان، سر بفلک عمارات، اور بڑے بڑے سمندر دیکھتے ہین، تو معلوم ہوتا ہے، انکا وجود حقیقی ہے خیالی نہین، جسطرح بیداری مین کوئی منظر وجود حقیقی کا احساس پیدا کرتا ہے، خواب مین بھی یہی ایقانی کیفیت ہوتی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ عالم بیداری مین ہملوگ جب اپنے خیال کو ان مناظر سے مقابل کرتے ہین، تو انہین موجود فی الخارج پاتے ہین اور عالم رویا مین جو مناظر ہمارے پیش نظر ہوتے ہین انہین صرف ذہن ہی سے تعلق رہتا ہے، خارج عن الذہن ان کا وجود نہین پایا جاتا

(۲) خیالات اور تصورات ایک ایسے قانون ایتلاف کے ماتحت دماغ مین مربوط ہو جاتے ہین، جس پر انسانی تصرف نہین ہوتا ہملوگ خیالات اور تصورات کے سلسلہ مین تغیر نہین کر سکتے، اور نہ انہین اپنے ارادہ سے وقفہ دیسکتے ہین،

قانون ایتلاف (ASSOCIATION) فلسفہ کی ایک اصطلاح ہے، ڈاکٹر صاحب کے قانون کی تفصیل یہ ہے کہ خیالات اور تصورات مستلزم ہوتے ہین یعنی جب ایک خیال پیدا ہوتا ہے، تو اسی قسم کا دوسرا خیال پیدا ہو جاتا ہے، اکثر حفاظ کو دیکھا ہوگا جہان پڑھتے پڑھتے رک گئے پھر وہان سے نہین بڑھتے، اور جہان بتا یا گیا (خواہ وہ ایک ہی لفظ ہو) پھر سلسلہ شروع ہو گیا، یہ اسی قانون کا نتیجہ ہے، ڈاکٹر موصوف کہتے ہین کہ جس طرح کسی خیال کے عناصر پر انکے باہم مربوط ہوتے وقت عالم بیداری مین ہمارا تصرف رہتا ہے، ویسا عالم رویا مین نہین، مثال کے طور پر جذبہ شہوت کو لے لیجئے، خیالات شہوانیہ کے اندر جب مرابطہ پیدا ہونے لگے، تو عالم بیداری مین ہملوگ مذہب اور ہیئت اجتماعی کے خوف سے ان عناصر خیال کو باہم مربوط ہی نہ ہونے دینگے، اور بالفرض یہ خیال ہوا بھی تو اسے عملی جامہ نہین پہنا سکتے اسکے برخلاف

---

[1] ڈاکٹر ابر کرامبی انگلستان کا ایک مشہور عالم گذرا ہے اسنے ایک کتاب لکھی جو ایک ہی جلد مین دو حصون کے اندر پائی جاتی ہے، اسکا نام "قوائے عقلیہ، و احساسات اخلاقیہ،" ہے پہلے حصہ مین ایک سکشن کے اندر اسنے خواب کے متعلق مبسوط مباحث کئے ہین، ۱۹۲۵ء مین خاکسار نے اسکا ترجمہ کیا تھا لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب مین تعلیم سے فارغ ہی ہوا تھا اور نظر ثانی نہ کر سکتا تھا، اب مین نے پھر اس کو دیکھا اور ضروری حذف و اضافہ کے بعد اس بحث کے سلسلہ مین پیش کر رہا ہون ۱۲

عالم رویا مین ان عناصر کے باہم مربوط، اور منتظم ہو کر عملی صورت اختیار کر لینے پر ہمارا دست تصرف نہین ہوتا، بڑے بڑے زہاد و صوفیا، علما اور صلحا خواب کے اندر ایسے مناظر سے مقابل ہوتے ہین، جنکے متعلق عالم بیداری مین انہین وہم و گمان بھی نہین ہوتا، عالم بیداری مین ہرگز ایسا فعل ان سے سرزد نہ ہوتا، جو عالم رویا مین ان سے ہو جاتا ہے اسکی توجیہہ ڈاکٹر صاحب کے اس قانون سے ہوتی ہے

ڈاکٹر موصوف نے تکوین خواب کی چار علتین قرار دی ہین اور ہر ایک کے ضمن مین انہون نے تاریخی اور ذاتی تجربات درج کئے ہین، یہان پر تفصیلات کی تو گنجایش نہین لہذا، ڈاکٹر صاحب کے صرف چار دن عنوان بیان کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے، موقعہ ہوا تو خواب کے متعلق عضویات اور نفسیات کی حیثیت سے بحث کیجا ویگی اور ڈاکٹر ابرکرامبی کی تمام تفصیلات پیش کیجا دینگی۔

(۱) جدید حادثات، اور جدید دماغی جذبات سے جو باہم مخلوط ہو کر ایک مسلسل سلسلہ مین مربوط ہو جاتے ہین یا قدیم و جدید واقعات، کی مخالطت سے کسی احساس کے ذریعہ سے جو انہین سے ہر ایک کیساتھ کم و بیش متحد رہتا ہے گو دوسری حیثیت سے ان جدید حادثات و دماغی جذبات یا جدید و قدیم واقعات کی کڑی باہم ملی نہو، اور انہین انتشار و تشتت ہو، ایک خواب کی تکوین ہوتی ہے

(۲) تصورات کے وہ سلسلے جنھین تاثرات جسمی کے باعث قانون ائتلاف وجود مین لاتا ہے۔

(۳) انسان بعض ایسے خواب دیکھتا ہے جنمین ان معاملات یا اشیا کے متعلق جو دماغ سے غائب یا فراموش ہو گئے ہین قدیم ائتلافات کی معاودت ہوتی ہے

ڈاکٹر صاحب اس کلیہ کے متعلق لکھتے ہین، کہ ایسے خواب کی علت دریافت کرنا ناممکن ہے، اور ما مین بعض ایسے ہین، جنھین ان کلیات مین سے جن سے فی الحال ہم لوگ واقف ہین، کسی کلیہ کے ماتحت نہین رکھ سکتے

(۴) عادات کا میلان (یا شوق) یا ایک دماغی جذبہ خواب کی شکل مین متشکل ہو جاتا ہے، اور وہ کسی فطری واقعہ کی بدولت عملی صورت اختیار کر لیتا ہے

خواب کے متعلق جدید تجربات

میرے ایک نہایت ہی مخلص دوست ہین، جنکی روایت میرے خیال مین ایسی ہے جسطرح میرے نزدیک خود اپنی روایت، وہ اکثر خواب دیکھا کرتے ہین، جنھین انھون نے اپنے سوانح زندگی مین جستہ جستہ نقل بھی کر دیا ہے، گو انکی موجودہ زندگی نے ایک دنیادارانہ صورت اختیار کر لی ہے، لیکن اپنی ابتدائی زندگی کا خواب جب وہ مجھ سے بیان کرنے لگے، تو مین نہایت متاثر ہوا، چونکہ مین انکی ابتدائی زندگی سے واقف ہون اسلئے وہ میرے نزدیک ایک ثقہ راوی ہین، پہلے وہ ایک غریب طالب العلم تھے، خموشی اور کنارہ کشی انھین زیادہ محبوب تھی، تلاوت قرآن اور نماز انکا مشغلہ علت تھا، وہ کہتے تھے کہ حیات کے اس دور مین برابر یہی خواب دیکھا کرتا تھا، کہ مسجد یا کسی دوسری جگہ پر قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہون، اور بعض آیات پر فرط رقت مین زار زار رو رہا ہون اور اسی حالت مین میری نیند کھل جاتی تھی، خواب کے اندر فارسی کے بعض اشعار پڑھتے پڑھتے جنھین ترک دنیا بے ثباتی عالم، حب الٰہی اور درد و محبت کے جذبات پائے جاتے ہین، انپر اکثر وجد انگیز کیفیات طاری ہو جاتی تھین اور روتے روتے انکی نیند کھل جاتی تھی ایکدن خواب مین انھون نے دیکھا کہ ایک سائبان مین صف باندھے، دس بارہ اشخاص بیٹھے ہین، انکی وضع قطع بالکل صوفیانہ تھی، پنجاجبہ، عمامہ،

لانبی داڑھی، مقدس اور بارعب چہرہ دیکھکر میرے دوست پر نہایت کیفیت طاری ہوئی، اور وہ ایک بزرگ کے نزدیک جو دائین جانب شروع صف مین تشریف فرماتھے پہونچکر اظہار عقیدت کے جذبہ بے اختیار مین، انکا دست مبارک چومنے لگے، انھون نے میرے دوست کی گردن جھکائی اور انکی پشت پر ہات پھیر کر فرمایا "یہ خوب پڑھیگا" میرے دوست ایک غریب اور ناپرسان حال انسان تھے علوم وفنون سے انھین چندان دلچسپی نہ تھی، لیکن انکی بعد کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انھون نے یقینًا یہ خواب دیکھا ہوگا، اور وہ بزرگ ایک "سروش غیبی" تھے، میرے دوست نے اپنے سوانح زندگی مین ایک اور پر لطف خواب لکھا ہے، جسے مین انہین کے الفاظ مین لکھدیتا ہون،

ابا کا خط

۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۵ء دوشنبہ

ابا آج سے چودہ سال پیشتر راحت ابدی کی نیند سو چکے دنیا کے کس پردہ مین ڈھونڈھنے سے بھی آپکا پتہ نہین مل سکتا، ہان آپکی مقدس اور خدا پرست صورت نے اتفاقًا خواب مین آکر دلکو البتہ مغموم وپریشان کیا ہے، ۱۹ر اکتوبر کو بوقت شب آخر مین نے والد ماجد کا ایک خط پایا، اس خط کی نوعیت اور تحریر عجیب دلکش تھی، مضمون سے لاڈ وپیار اور شوق ملاقات مترشح تھا، نیند کھلی تو خط کا مضمون مینے یاد کرلیا، یہ خط کا خلاصہ نہین بلکہ حقیقی الفاظ ہین جو نظام غیبی کے ماتحت میرے محبوب اور چہیتے والد مرحوم کے قلم سے نکلکر عالم رویا مین مجھ تک پہونچے، مینے دیکھا...... مسجد کے نزدیک چوک پر مین کھڑا ہون، دفعتہً ڈاکیہ نے ایک خط لاکر دیا، یہ پوسٹ کارڈ تھا اسکے ساتھ ایک زرد رنگ کا پرچہ چسپان تھا جو اکثر رجسٹری شدہ خطوط مین رہا کرتا ہے۔

مضمون خط

...... میر الڑکا ہے جسکی خبر ۱۱ر جسکا مفہوم میرے ذہن مین اسوقت یہ آیا کہ ۱۹۱۷ء اور طرز مضمون سے یہی معلوم ہوتا تھا صرف کتابت کی غلطی تھی) کے بعد سے مجھے کچھ معلوم نہین جب سے مینے یہ مضامین پائے ہین، کھانا پینا گانا بجانا ملنا جلنا سب ترک ہو گیا ہے" ...... کے دو مضامین مجھے موصول ہوئے جن سے علم ذہنی ٹپکتا ہے

باپ کی محبت اور انکے خط کے مطالعہ نے مجھے کچھ ایسا وارفتہ اور غریق بحر فنا بنا دیا، کہ مین ہمہ تن چشم بنکر خط کا مرقومہ بالا مضمون پڑھتا رہا نیند کھلی تو ایک پژمردگی اور یاس کا عالم تھا، والد کے فراق کا غم تازہ ہو گیا اور اس سن وسال مین بھی آنسو ٹپک پڑے۔

میرے دوست ایک اور خواب کا تذکرہ کر رہے تھے جو بالکل امام غزالی کے رویائے آنجی سے ملتا ہوا ہے، چونکہ میرا قلب اس قسم کے احساسات کے سمجھنے سے عاری ہے، اسلئے مین سکی صحیح اہمیت ذہن نشین نہین کر سکتا لیکن ایک ثقہ راوی کی روایت نظرانداز کرنے کو جی نہین چاہتا، وہ کہتے تھے ایکدن مین سفر مین تھا، مغرب کی نماز مین کچھ دیر ہو گئی ایک مسجد مین جاکر فورًا نماز پڑھی، انہین قرآن مجید کا کچھ حصہ زبانی یاد تھا، مغرب کی نماز سے فارغ ہونیکے بعد وہ وہین بیٹھ رہے، اور سورۂ جن سے لیکر ۲۹ پارہ کے اخیر تک زبانی تلاوت کی، اور عشا کی نماز پڑھکر اپنی منزل پر لوٹ آئے وہ اپنے بال بچون سے ملنے جارہے تھے، لہذا دل کسی اور شوق کا گرفتار تھا، لیکن تعجب ہے کہ انہون نے خواب مین دیکھا کہ مین وطن کی ایک سڑک پر ہون جسکے ادھر ادھر شیشم کے بڑے بڑے درخت ہین ایسا سمان بندھا ہوا ہے، جیسے موسم بہار مین بدلی چھائی ہو، اور

بوندین گرنے ہی کو ہون، ایسے سنسان، مگر دلکش مقام مین عالم پر کامل سکوت طاری تھا نہ وہان کسی انسان کا گذر تھا، نہ کوئی آواز سنائی دیتی تھی اسوقت انھون نے دیکھا کہ مین رامائن کے لہجہ مین ہندی کی ایک غزل پڑھ رہا ہون، (حالانکہ وہ ہندی غزلیات سے واقف نہین) انکی آواز مین نہ معلوم اسوقت کہان سے ایسا سوز وگداز پیدا ہو گیا تھا، کہ وہ خود حیران تھے معلوم ہوتا تھا ترنم کی دلکشی نے اور لہجہ کا پر درد سوز انکے بازؤن مین پر لگا دینگے اور وہ اڑ کر عالم بالا مین پہونچ جاوینگے، انکی آنکھون کے سامنے سے معلوم ہوتا تھا پردے اُٹھ رہے ہین اور گویا انکے سامنے تو امیس الٰہیہ کے جلوے موجود ہین، ہر چند اس جلوہ گاہ مین انھون نے، نہ کوئی صورت دیکھی نہ کوئی آواز سنی، لیکن انکے وجدان کو یہ احساس ہوا، کہ گویا انکے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہین

امام غزالی اور انکی صوفیانہ زندگی

۱۰۹۵ء سے امام غزالی کے عہد تصوف کی ابتدا ہوتی ہے، اسکے بعد آپکی زندگی کا کچھ حصہ تو ایک صوفی کی طرح بادیہ پیمائی مین گذرا، اور کچھ صوفیانہ عقاید کی تعلیم و تلقین مین، آپنے ۱۱۱۱ء مین وفات پائی، اور اپنے تمام تجربات صوفیانہ آپنے خود اپنی زندگی مین قلم بند کئے ہین، جو عربی مین اپنی لطافت اور کمال اظہار کے اعتبار سے فقید المثال کتاب ہے، امام موصوف اپنے صوفیانہ رجحان کو مفصلہ ذیل الفاظ مین بیان کرتے ہین

میری توجہ طریقت صوفیہ کی طرف مبذول ہوئی، مین جانتا تھا کہ انکے جادہ طریقت پر رہروی کیلئے اصول اور عمل دونون ذرایع ضروری ہین، اسکا اصول یہ ہے، کہ انسان اپنے نفس سے تمام صفات وخصوصیات خبیثہ دور کردے، یہانتک کہ انسان کا دماغ صرف اسمائے الٰہیہ کے جلوہ سے معمور ہوجائے، میرے طریقت صوفیہ کا اصول اسکے علمی اوراد و وظائف کی بہ نسبت زیادہ سہل تھا، اسلئے مینے اسے جاننے کیلئے انکی کتابونکا مطالعہ شروع کیا، (یہان امام غزالی نے تصوف کی چند کتابونکے نام لکھے ہین) مینے انکے اصولی فکر وعقاید پر عبور حاصل کرلیا، اور انکی طریقت کے متعلق مجھے وہ تمام معلومات حاصل ہوگئے، جو مطالعہ یا سماعت سے حاصل ہوسکتے ہین

مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ مطالعہ کے ذریعہ سے طریقت کے خصایص کا علم حاصل نہین ہوسکتا، اسکے لئے ذوق سلیم کی ضرورت ہے اسکے بعد امام غزالی نے ایک خطیبانہ انداز مین بیان کیا ہے کہ اسمین جو حفظان صحت کے اصول وقوانین سے واقف ہے، اور جو خود صحیح اور تندرست ہو کسقدر فرق ہے، ایک وہ شخص جو صرف شرب اور بانگ نوشانوش کی تعریف جانتا ہو، اس شخص سے جو لذت شرب سے پرکیف اور "گاہے مے شبانہ وگہ بادۂ صبوح" کی نشاط آفرینیون سے سرشار ہو کسقدر ممتاز حیثیت رکھتا ہے "بادہ پیمائی" جسکا "وظیفہ صبح" اور "ورد شام" ہو وہ بادہ پیمائی کی تعریف اور لذت خمار کے علمی لطائف ناواقف ہوتا ہے، اسے ایک وارفتہ کرنے والی مستی ہوتی ہے وہ لذت خمار سے ایک نشاط نفس حاصل کرتا ہے، اور بس، ایک سنجیدہ اور زاہد منش انسان تعریف خمار تو جانتا ہے بادہ پیمائی کے متعلق اسے علمی اور طبی اصول سے تو واقفیت ہوتی ہے، لیکن وہ لذت شرب سے بالکل ناآشنا ہوتا ہے، اسی طرح جب ایک طبیب بیمار ہوتا ہے احفظان صحت کے اصول، اسباب مرض اور دفیعہ کے اسرار سے تو واقف رہتا ہے، لیکن صحت اس سے مفقود رہتی ہے، ماہرین تصوف اور رہروان طریقت کے درمیان یہی فرق ہے

مجھے اسکا یقین ہوگیا، کہ صوفیہ کے نزدیک "احوال" اہمیت رکھتے ہین نہ کہ تعریفات اور یہ کہ جو کچھ علمی ونظری مباحث کے

ذریعہ ممکن تھا، مجھے حاصل ہوگیا، بقیہ معلومات مطالعہ و سماعت کے ذریعہ نہین حاصل ہو سکتے بلکہ انکے لئے ”ذوق“ کی ضرورت ہے، اور ایک مانہ معینہ تک عملی اوراد و وظائف کی،

ان علوم کے ذریعہ جو مینے پڑھے تھے، اور ان طریقون کی وساطت سے جو مینے اقسام علوم (عقلی و نقلی) کی جستجو مین اختیار کئے تھے، میرا عقیدۂ توحید، رسالت اور آخرت کے متعلق راسخ ہوگیا تھا، ایمان کے یہ بنیادی عقاید میرے نفس مین اثبات کامل کے ذریعہ نہین جاگزین ہوتے تھے، بلکہ سلسلۂ ایتلاف، اور تجربات کے ذریعہ حاصل ہوتے تھے یہ بات مجھ پر ظاہر ہوگئی، کہ مجھے نجات اخروی کی امید صرف اتقا اور نفس کو مطلوبات شہوانیہ سے محفوظ رکھنے سے ہی ہو سکتی ہے، اور یہ کہ اسکی ابتدا یہ ہے کہ قلب کو عالم مادی کے تعلقات سے منقطع کر دیا جائے۔

ان خیالات کے پیدا ہونے سے مین سمجھنے لگا کہ مین زندگی کے ایک نہایت اہم دور سے گزر رہا ہون، آخر کار ایکدن مینے ارادہ راسخ کر لیا، کہ بغداد سے ہجرت کر کے حیات کی تمام کامرانیون سے دست بردار ہو جاؤنگا لیکن ابھی تک مین پس و پیش مین تھا صبح کو مین ترک دنیا کا ارادہ کرتا تھا، تو شام کو اسمین انقلاب رونما ہو جاتا میرے ارادہ مین استقلال نہ تھا، مطلوبات شہوانیہ ”دامن دل“ پکڑ کر کہتے تھے کہ ”جا اینجاست“، اور ایمان کا ایک سروش غیبی ”در بربندید محملہا“، کا مبہم پیام سنا رہا تھا،

اسی طریقہ سے چھ ماہ گزر گئے، اور مین کبھی تو عالم مادی کے جذب و کشش سے متاثر ہوتا تھا، اور کبھی آخرت کی پکار سے، ۴۸۸ھ تھا رجب کا مہینہ تھا، اسوقت معاملہ میری مرضی اور خواہش سے بالاتر ہو گیا، مجھے مجبوری لاحق ہونے لگی، خدا نے میری زبان بند کر دی، میری گویائی ایسی سلب ہو گئی، کہ مین تعلیم و تلقین کرنے سے بھی عاجز ہو گیا، ایکدن مینے دیا ؤ ڈالکر چاہا بھی کہ بعض حضرات کے اطمینان خاطر کیلئے مین کچھ تعلیم کرون، لیکن میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا، اب زبان کی اس بندش اور نطق کے فقدان کے باعث مین سخت مغموم رہنے لگا میری قوت ہاضمہ مین فرق آگیا، نہ کھانے کی خواہش رہی، نہ پانی کی طلب، نہ مین ایک قطرہ آب جذب کر سکتا تھا نہ ایک لقمہ ہضم، میری قوت زائل ہونے لگی، اور اطبا نے بھی شفا سے مایوسی ظاہر کی، انھون نے تشخیص کی کہ کسی دماغی تکلیف نے نظام جسمیہ پر اثر ڈال رکھا ہے، اور اسکا علاج یہی ہے، کہ وہ فکر و تردد دماغ سے دور ہو جائے تب مینے ضعف و نقاہت کا احساس کرتے ہوئے، اور اپنے ارادہ کی طلب و ادعا سے دست بردار ہو کر مینے اس شخص کی طرح اسکی کا وقت ضرورت کوئی حاجت روا نہ ہو، خدا کی طرف رجوع کیا

صدائے غیبی آئی، اور میرے لئے آسان ہو گیا، کہ مین جاہ و حشم کی تمنا، دولت کی فراوانی، اور کینہ و رفقا کے تعلقات سے سبکدوش ہو جاؤن۔

اسکے بعد امام غزالی فرماتے ہین کہ کس طرح مینے بغداد کے دربار خلافت سے رخصت حاصل کی، آپنے ظاہر کیا کہ حج بیت اللہ کا ارادہ ہے، حالانکہ آپکا اصل مقصد یہ تھا، کہ شام کا سفر کرین، اور وہین صوفیہ کی طرح ترک دنیا، اور مراقبہ کے اشغال مین مستغرق رہین، امام غزالی اب یک بادیہ پیما راہب ہو گئے، آپ ملک شام مین پہونچے، اور وہان دو سال تک کنج عزلت مین بسر کی آپنے صوفیانہ ریاضت کی منزلین طے کین، تزکیہ دماغ اور تصفیہ قلب فرماتے رہے، اور ہمیشہ خیال آلہی مین مستغرق رہتے، اسکے بعد آپکے

قلب مین پہچ مچ حج بیت اللہ کی خواہش پیدا ہوئی آپ نے مناسک حج ادا کئے، اور دس سال تک آپکی زندگی، دو حصون مین منقسم رہی، خود اپنا تزکیہ نفس، اور دنیا کے دوسرے ارباب کا خیال، تعلقات دنیا کے افکار، زندگی کی ضروریات اور اولاد کی منت و سماجت کبھی انہین اپنی طرف متوجہ کرلیتی، اور کبھی صوفیہ کی "جمعیت" اور "علاقہ الٰہی" کی طلب "کنج عزلت مین بٹھادیتی"۔ (باقی)

عبدالمالک آروی

ایک ادبی و علمی دعوت

جنوری ۱۹۲۸ء کی اشاعت نگار کو مومن کے لئے مخصوص کرکے مین نے اپنے آپکو گویا پابند بنالیا ہے کہ ہر سال کسی نہ کسی ایسے شاعر کی یاد کو تازہ کیا جائے جس کے مٹانے مین زمانہ نے اپنی پوری قوت صرف کردی ہے۔

چنانچہ ارادہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۰ء کا "نگار" ابوالمظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے لئے مخصوص کردیا جائے اور کم از کم دو سو صفحات کو محیط ہو۔ اس سلسلہ مین جو عنوانات قایم کئے ہین، یہ ہین:-

(۱) ظفر کی سیرت اور اس کے عہد کے تاریخی خصوصیات (۲) عہد ظفر کے سیاسیات (۳) ظفر کی شاعری اور اسکی خصوصیات (۴) عہد ظفر مین دہلی کی شاعری (۵) ظفر کی شاعری پر سیاسیات وقت کا اثر (۶) دربار ظفر اور عہد ظفر کے شعراء (۷) ظفر کے عہد مین دہلی کی علمی و ادبی فضا (۸) ظفر رنگون مین (۹) حالی و آزاد کی رائے ظفر کی شاعری کے متعلق اور اسپر محاکمہ (۱۰) انتخاب کلام ظفر

امید ہے کہ ملک کے ارباب علم و ادب

عنوانات بالا مین سے کسی عنوان پر یا ایک ہی مضمون کے سلسلہ مین ان تمام یا چند عنوانات پر اپنی تحقیقات و معلومات بھیجکر ممنون فرمائینگے۔ انتخاب کلام ظفر کی خدمت ادارۂ نگار نے اپنے ذمہ لی ہے اسلئے اسپر کسی کو وقت صرف کرنیکی ضرورت نہین۔

اسی سلسلہ مین غالباً یہ عرض کردینا بے محل نہوگا کہ بہترین مضمون کے لئے نگار کی طرف سے ایک حقیر ہدیہ **سو روپیہ** کا پیش کیا جانا قرار پایا ہے۔ جو کامیاب مضمون نگار کی خدمت مین ٹھیک ۲۵ جنوری ۱۹۳۰ء کو روانہ کردیا جائیگا۔ زیادہ سے زیادہ ۳۰ ستمبر ۱۹۲۹ء تک مضامین کا دفتر نگار مین پہونچ جانا ضروری ہے۔

نیاز فتحپوری (ایڈیٹر نگار) لکھنؤ

چند گھنٹے ایک مولوی کے ساتھ

دنیا میں "سانپ" اور "مولوی" دو چیزیں ایسی ہیں، جنکی قسموں کی انتہا نہیں، البتہ فرق یہ ہے کہ اکثر سانپ زہریلے نہیں ہوتے اور موخرالذکر کا یہ حال ہے کہ:

ہر کرا جامہ مولوی بینی

در دمش صد ہزار مار انگار

مسجد کے ملا سے لیکر محراب و منبر کے واعظ تک، نماز جنازہ پڑھانے والے مولوی سے لیکر اس "مولانا" تک جو بیضاوی و بخاری کا درس دیتا ہے ایک چیز (الا ماشاء اللہ) سب میں مشترک پائی جاتی ہے اور وہ انکے ظاہر و باطن کا تضاد ہے۔ یعنے جس مولوی کا ظاہر جتنا زیادہ خوشنما ہو اتنا ہی زیادہ اسکا بطون مکروہ ہے۔

ایک مولوی کی "ہیئت وضعی" (جس میں اسکا بے تکا عمامہ، الجھی ہوئی زلف (گاہے تا دوش و گاہے تا بناگوش) لانبی پریشان داڑھی، زمین دوز بروت، سیاہ داغدار پیشانی، شیروانی نما کرتہ، نیم ساقی پاجامہ اور غیر دباغت شدہ متعفن چمڑے کا جوتا مع تسبیح و جریب و رومال اور "تاسدانی" کے سب کچھ شامل ہے) ایک ایسی واضح، صریح، اختراعِ مسجل (Patent) ہے جس کو دیکھنے کے بعد گویا ہر شخص کا فطری فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس وضع والے کو مولوی سمجھے اور بہ حیثیت مولوی ہونے کے اس وضع کا اختیار کرنے والا تو گویا من جانب اللہ اسپر مامور ہی ہوا ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں قورمہ اور مرغ پلاؤ مہیا ہو سکتا ہے وہاں اپنا سلسلۂ ارشاد و ہدایت دراز کرے۔ اس میں بھلا کسی کو اعتراض کی کیا گنجایش ہے۔

مولوی کی اولین قسم جو ارتقاء مولویت کی سب سے پہلی کڑی تھی اور جو مکتبوں کے بوریوں پر نظر آتی تھی اب تقریباً مفقود ہو چکی ہے، مگر ان کے کارنامے مولویت کی تاریخ لکھنے والے کے لئے ہمیشہ اہمیت رکھیں گے۔ کیونکہ "موجودہ مولوی" اسی "گزشتہ مولوی" کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اور وہ شخص جو "نفسیات مولویت" (Psychology of molvyism) سے بحث کرنا چاہیگا، اس کیلئے لازم ہوگا کہ وہ اس قوم کی ابتدا ظہور سے آغاز کرے۔ علمی اصولی حیثیت سے آپ ان پر غور کرکے انکی اہمیت کا اندازہ یوں کر سکتے ہیں:-

مثلاً —— میرے محلہ میں بہت زمانہ ہوا ایک مولوی کسی رئیس کی ڈیوڑھی میں بیٹھ کر محلہ کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے۔ ان کی ایک مولویائن تھیں اور چند در چند بچے جن کو اگر برابر برابر کھڑا کر دیا جاتا تو اچھا خاصہ زینہ بنجاتا۔ رئیس کے یہاں ان کو صرف پانچ روپیہ ماہوار اور کھانا ملتا تھا، لیکن انکی دیگر فتوحات کی صورتیں مختلف تھیں۔ عید، بقرعید، شبرات میں عیدیاں، بقرعیدیاں اور شبراتیاں "بپاس خاطر عزیز" لکھ کر انعام وصول کرنا تو خیر ایک جائز معمول تھا ہی، لیکن اس کے علاوہ وہ اور بھی مختلف ترکیبوں سے کام لیتے تھے اور اس باب میں وہ

ایک مخترع و موجد کی حیثیت سے بالکل اڈیسن کا مرتبہ رکھتے تھے۔ مثلاً ان کے موٹے لانبے کرتے میں آگے پیچھے، نیچے اوپر تقریباً ایک درجن جیبیں تھیں۔ یہ جیبیں مختلف وسعت کی تھیں اور ان کا رنگ بھی مختلف تھا، کوئی سرخ تھی اور کوئی زرد، کوئی سفید تھی اور کوئی سبزی مائل، ہر لڑکے کو خفیہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ جب وہ گھر سے آئے کوئی نہ کوئی چیز لیتا آئے، پھر اگر کوئی مرچ لایا تو سرخ جیب میں ڈال دی، کسی نے ہلدی کی گرہ پیش کی تو زرد رنگ کی جیب میں رکھ لی، کوئی آٹا لایا تو سفید جیب کی نذر ہو گیا، اور سبز ترکاریاں سبز جیب میں چلی گئیں۔ ایک جیب چمڑے کی بھی تھی، جس کا راز ایک دن اتفاق سے یوں کھل گیا کہ ایک مسلمان تیلی کا لڑکا کچھ تیل کٹورے میں لایا اور انھوں نے آنکھ بچا کر اسی جیب میں تیل کو انڈیل لیا۔ الغرض شام کو جب وہ گھر جاتے تھے تو مولویائن اور "ملا زلوں" کے لئے بقال کی اچھی خاصی دوکان بنکر جاتے تھے۔

ایک معمولی شخص کے لئے بظاہر یہ واقعہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، لیکن ایک ماہر نفسیات غور کریگا کہ ایسے معلم کے شاگردوں میں کیا ذہنیت پیدا ہو سکتی ہے اور وہ آگے چلکر کس قسم کے "افراد قوی" بننے کی اہلیت رکھ سکتے ہیں۔

بہر حال اللہ کی یہ مخلوق تو اب مفقود (Extinct) ہو گئی ہے، لیکن اسی کی اولاد و احفاد یا تلامذہ کے سلسلہ میں جو مولوی پائے جاتے ہیں، انکی تین بڑی تقسیمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جو عربی مدارس میں لڑکوں کو پڑھاتے ہیں، دوسرے وہ جو وعظ و تبلیغ کے ساتھ لوگوں کو مرید بھی کرتے ہیں اور تیسرے وہ جو سیاسیات میں حصہ لینے کے بعد مسلمانوں کے قاید و رہنما بن گئے ہیں۔

اول الذکر قسم بظاہر گوشہ نشین اور بے ضرر قسم معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی خلوت نشینی حقیقتاً ایک مستقل ہنگامۂ محفل ہوتی ہے جس میں ایک شمع کی حیثیت رکھتا ہے اور طلبہ پتنگوں کی، رہی بے ضرری سو اسکا حال اس سے عیاں ہے کہ اگر درسگاہ اس قسم کی ہے جس کے طلبہ مساجد میں رہ کر محلہ والوں کی خیرات اور سدیم کی روٹیوں پر زندگی بسر کرتے ہیں تو اخلاقی تربیت اور علو حوصلگی معلوم، اور اگر کوئی قومی مدرسہ ہے جس میں دار الاقامہ کے اصول پر طلبہ کے رہنے کا انتظام ہے تو وہاں کا نصاب ہی فرسودہ و قدیم ہے جو انسان کو آگے بڑھانے کی جگہ پیچھے ڈھکیل دیتا ہے اور جس کی تکمیل کے بعد سوائے اذان دینے، نماز پڑھا دینے یا "مسئلۃ البئر حجیط" سمجھا دینے کے اور کچھ نہیں کر سکتا، اور وہاں کے اساتذہ روشن خیال نہیں ہیں اور بجز یہ طالبعلموں میں کوئی ولولۂ عمل اور نشاط روح پیدا ہونے نہیں دیتے

اول الذکر قسم کے مولویوں میں سے جو افراد زیادہ ذہین ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر دوسری قسم میں منتقل ہو جاتے ہیں اور وعظ و تبلیغ شروع کر کے "مشایخانہ" حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ طبقہ زیادہ مالدار، زیادہ خوشحال، زیادہ کامیاب و رنگین ہے۔ ایسا مولوی سب سے پہلے بنگال و برما کے جاہل قریوں میں اپنی "مشق سخن" شروع کرتا ہے اور جاہل مسلمانوں کو جھوٹی روایتیں، گڑھے ہوئے کاذب افسانے مذہب دنیا و مذہب کے متعلق سنا کر اول اول علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا وعظ کہتا ہے اور جب اپنی حیثیت بہ لحاظ ایک عالم ہونے کے "یکے از انبیاء بنی اسرائیل" کی طرح قائم کر لیتا ہے تو سراً و علانیۃً مرشد و ہادی بنکر اپنے ارادتمندوں اور مریدوں کی رجسٹر کھول دیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح کم از کم ۷۰۰ مرید اسکو حاصل ہو جائیں تاکہ اگر ایک روپیہ سالانہ بھی وصول کیا جائے (جو نہایت معمولی بات ہے) تو دو روپیہ روز کا اوسط پڑ جائے یہ طبقہ نہایت "خوش خوراک" و "خوش پوشاک" ہوتا ہے، اگر یہ کسی ایسے قریہ میں پہونچ جاتا ہے جہاں تمام ضروری چیزیں اسکے "ذوق شکم" کو پورا کرنیوالی ملسکتی ہیں تو پھر اس کے دسترخوان کا پروگرام یہ ہوتا ہے:—

صبح کا ناشتہ:- نماز کے بعد ہی کشمیری چائے، سیر بھر دودھ اوٹا ہوا، پاؤ بھر مسکہ، ایک چھٹانک پسے ہوئے بادام، آدھ پاؤ قند، دو پراٹھے، تین ابلے ہوئے انڈے، چار کباب اور بس۔

دوپہر کا کھانا:- مرغ کا قورمہ، مرغ پلاؤ، بورانی، پسندے، باقر خانی، مزعفر، بالائی۔

سہ پہر:- سادہ چائے، اور تازہ پھل۔

شب کا کھانا:- وہی جو دوپہر کو تھا مگر شامی کباب اور بھنی ہوئی مچھلی کے اضافہ کے ساتھ۔

اگر مولانا کسی ایسے مقام میں پہونچ گئے ہیں جہاں یہ اشیاء فراہم نہیں ہو سکتیں اور ان کو اندیشہ ہوتا ہے کہ صرف دال ترکاری پر بسر کرنا ہوگی تو پھر وہ کہہ دیتے ہیں کہ آجکل کسی جلالی عمل کا چلہ کھینچ رکھا ہے اسلئے سوائے دودھ بالائی کے کچھ نہیں کھا سکتا۔

مولانا کی پوشاک بھی ہمیشہ دورہ ہی کے زمانہ میں تیار ہوتی ہے۔ عماموں کی تو خیر کمی نہیں کیونکہ ہر نیا مرید جب کچھ زر نقد اور مٹھائی لاتا ہے تو وہ ایک نیا عمامہ بھی پیش کرتا ہے (جو بعد کو گھر پہونچکر مولویائن کے دوپٹے اور بلازادوں کے کرتوں کے کام آتا ہے) لیکن یوں بھی قمیص اچکن، تہمد اور ازار کے لئے طرح طرح کے سوتی اور ریشمی کپڑے تحفۃً آتے رہتے ہیں اور جو مولوی زیادہ ہوشیار ہیں وہ صرف اسی غرض سے جولاہوں اور کپڑے کے تجارت کرنے والوں کو مرید بناتے ہیں۔ مولانا کے وعظ و تلقین کا جہاں تک تعلق ہے یکسر خدا کی شان جلالی سے وابستہ ہوتی ہے۔ خدا ایسا قہار ہے، ایسا جبار ہے، اس نے جہنم اتنا وسیع بنایا ہے وہ یوں اژدھوں سے ڈسواتا ہے، اس طرح آگ میں جلاتا ہے۔ مگر ہاں وہ جس کی شفاعت رسول اللہ کردیں یا کوئی پیر گویا خدا کا قہرمانی وجود اپنے وقت کا جہانگیر یا ہلاکو ہے اور مولانا اس کے وزیر باتدبیر ان کی ملفوظات کا بڑا حصہ خود اپنے ہی کرامات وخوارق عادات سے متعلق ہوتا ہے۔ کہ فلاں مقام پر اس طرح ایک مرتے ہوئے شخص کو اچھا کردیا، امساک باراں میں یوں پانی برسا دیا، فلاں کے دل کا حال اس طرح بتادیا جن کے بادشاہ کو طلب کر کے فلاں کے سر سے آسیب کو یوں دور کردیا وغیرہ وغیرہ۔

اگر مولانا کو ذوقِ موسیقی بھی ہے تو شب کے اول حصہ میں قوالی اور اس کے ساتھ حال قال کی چند مذبوحانہ حرکات بھی دکھائی جاتی ہیں، ورنہ شام ہوتے ہی، مولانا کا جائے قیام مردوں کے لئے "ممنوع الدخول" ہوجاتا ہے اور صرف عورتوں کی ہدایت کے لئے وقف سمجھا جاتا ہے۔ پیر صاحب نرم قالین پر نرم تکیوں کے سہارے دراز ہوجاتے ہیں، عورتیں ڈرتی ہوئی، سہمی ہوئی شرمائی ہوئی سامنے آتی ہیں اور مولانا کا وہ جسم جو مقوی اور قیمتی غذا سے خوب نرم اور پر گوشت بنا ہوا ہے دابنے لگتی ہیں۔ مولانا تھوڑی دیر اس لذت و لطف سے سرشار ہونے کے بعد دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں اور وہاں علیحدہ علیحدہ ہر ایک تعلیم و تلقین خصوصی کے لئے طلب فرماتے ہیں، پھر چونکہ وہ مقام بلند ہے جو پیر صاحب کی اصطلاح میں "قاب قوسین او ادنیٰ" سے کم نہیں، اس لئے یہاں کے راز اول تو بہت کم ظاہر ہوتے ہیں اور جو کبھی ہوگئے تو فوراً کل یوم ھو فی الشان اور اللہ جمیل ویحب الجمال کا وعظ شروع ہوجاتا ہے اور جاہل مرید خوشی کے ساتھ اپنی عورتوں لڑکیوں کو آلۂ تفریح بنانے کے لئے راضی ہوجاتے ہیں

تیسری قسم مولوی کی وہ مولانا ہے جو ملک کے اونچے اور تعلیمیافتہ طبقہ میں اپنی کارگاہ قایم کرتا ہے تاکہ ملک کا سیاسی قاید و رہنما تسلیم کیا جائے جہاں تک اصلاح ملک و قوم کا تعلق ہے میرا تجربہ بالکل صفحۂ سادہ کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن جس حد تک تخریب و فساد متعلق ہے اس طبقہ کا

وجود اس درجہ خطرناک ہے کہ شاید ہی ہم ابھی کماحقہ اس کی اہمیت کو پوری طرح ظاہر کر سکیں۔

یہ مولانا، کھدر پوش ہوتا ہے، دیسی چیزوں کا عاشق، ولایتی اشیاء سے متنفر، حریت و آزادی کا علمبردار، غلامی و استبداد کا عدو، ترقی کا حامی، تنزل کا دشمن اور

"یتیموں کا والی غریبوں کا ملجا"

سبھی کچھ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے، لیکن اس کے کھدر پوش سینہ کے اندر اتنا موٹا اور مکروہ قسم کا نفس ہوتا ہے کہ شاید ہی غریب فرعون کو نصیب ہوا ہو۔ اس کے تمام مقالات حریت، اسکی تمام شعلہ بیانیاں، اسکی جملہ سوراج پرستیاں، صرف حب جاہ سے متعلق ہوتی ہیں اور اسکا مقصود ان تمام نمایشوں سے سوا اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ وہ ریل کے اونچے سے اونچے درجہ میں سفر کرے، وداع کے وقت لوگوں کا ہجوم اس کو اسٹیشن تک پہونچانے جائے، جہاں پہونچے وہاں رسم مشایعت کے لئے ایک جماعت موجود ہو، گلے میں ہار ڈالے جائیں، اسکی موٹر کو نوجوانان ہند کھینچ کر لیجائیں، جلوس کے ساتھ جب وہ بازاروں کی طرف سے نکلے تو ایک غرور نما انکسار کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے جھک جھک کر لوگوں کا سلام قبول کرتا جائے، اور جائے قیام پر ہر وقت زائرین کی آمد و شد سے میلہ سا لگا رہے

یہ اپنے آپ کو سیاسیات کا ماہر، نظام عالم کا "استن حنانہ" اور گردش ارضی کا محور سمجھتا ہے، اس کو یقین ہوتا ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو نظم دنیا درہم برہم ہو جائے، مشرق مغرب سے، شمال جنوب سے ملجائے اور قومیت کا بیڑا غرق۔ اس قسم کا مولینا بہت کم خطرہ میں پڑتا ہے اور اگر کبھی پڑ جاتا ہے تو صرف تجارتی اصول کی بنا پر کہ آیندہ اس کے کاروبار کی رونق اس سے زیادہ بڑھ جائیگی۔ یہ سوائے اپنے کسی کی رائے کو پسند نہیں کرتا، یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں خدا نے صرف اسی کو ذی عقل و ہوش بنایا ہے اور خلیفۃ اللہ فی الارض اسی کی ذات سے عبارت ہے۔ وہ جلسوں میں ہمیشہ دیر کر کے پہونچتا ہے تاکہ جس وقت وہ پہونچے تو سارا مجمع جو اسکا انتظار کر رہا ہے، گردن اٹھا اٹھا کر اسکو دیکھنے لگے وہ چوکڑیوں پر سوار ہو کر جاتا ہے، اونچی جگہ مسند، مخمل اور زر کار کرسیوں پر اپنا دامن عبا دراز کرتا ہے۔ وہ دوران جلسہ میں سرگوشیاں کرتا ہے، کاغذ کے پرزوں پر پنسل سے کچھ لکھ لکھ کر لوگوں کو ہدایات فرماتا ہے، گویا کہ وہ اس ساری جماعت کا ایک قاید اعظم ہے، اس مشین کا پہیوت یا گورنر اسپرنگ ہے جس پر پرزوں کی ...... باضابطہ گردش قایم ہے۔

مولانا، مولانا کی آوازوں سے اسکا سیروں خون بڑھتا ہے، دست بوسی سے اس کے جذبات قیادت میں برقی رو دوڑ جاتی ہے اور جس وقت وہ اسٹیج پر جا کر تالیوں کی آواز سنتا ہے تو ایسا محسوس کرتا ہے کہ خدا عبارت ہے صرف اسی کی ذات سے، یہ حال ہے اسکی پبلک زندگی کا، لیکن اپنے گھر کے اندر وہ کیا ہے؟ اپنے متعلقین کے ساتھ اسکا کیا برتاؤ ہے۔ لوگوں کے حقوق وہ کیونکر ادا کرتا ہے، اس کا حال اسکی غریب بیوی سے پوچھیے جو ایک کنیز سے بدتر حیثیت رکھتی ہے، بچوں، خادموں اور اس کے اعزہ سے دریافت کیجیے کہ یہ اپنے آپ کو "خدا کا بیٹا" کہنے والا، کس طرح کا باپ کس قسم کا آقا اور کس انداز کا انسان ہے۔

اس کا مذہب بجز خود پرستی، اس کا دین و ایمان سراسر کبر و غرور، اور اس کی ذات از سر تا پا یادگار ہے ان فراعنہ و نمارده کی جنکا حال تو کتابوں میں ہمکو نظر آجاتا ہے، لیکن صورت اب تک کبھی نہیں دیکھی تھی۔

میں نہیں کہتا کہ اس جماعت میں کوئی مستثنے نہیں ہے، لیکن اگر کوئی ہے تو اسکا عدم وجود برابر ہے اور اس کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔

اسقدر تمہید کے بعد مجکو اصل مدعا کی طرف آنا چاہئے جو عنوان سے ظاہر ہے۔ میرے تجربات مولویوں کے متعلق اسقدر وسیع ہیں کہ اگر چاہوں تو برسوں تک اس سلسلہ کو قایم رکھ سکتا ہوں، لیکن اس وقت میں اپنا بالکل حال کا تجربہ پیش کرنا چاہتا ہوں، جو ادبی حیثیت سے بھی کم پر لطف نہیں ہے:۔

۴۔ جولائی کو میں ایک . . . . . . جلسہ میں شرکت کی غرض سے الہ آباد جا رہا تھا۔ پرتاب گڈھ اسٹیشن پر پہونچ کر میں جس درجہ میں داخل ہوا، وہاں پہلے سے ایک ہندو خاتون کونہ میں بیٹھی ہوئی تھی جس سے ایک مرد جو غالباً اس کا خوش نصیب شوہر ہوگا، باتیں کر رہا تھا۔

یہ عورت جسے ایک نوجوان لڑکی کہنا زیادہ موزوں ہوگا، بہت قبول صورت، حد درجہ مہذب، اور نہایت خوش ادا چیز تھی اور اپنی نزاکت کے لحاظ سے آسکر وائلڈ کی زبان میں بالکل ایک سفید فاختہ یا کبوتری معلوم ہوتی تھی۔ اس کے رنگ کی کندنی چمک، اس کے خد و خال کی کشمیریت، اسکی آنکھوں کی نشیلی کیفیت، اس کے لبوں کی میگونی، اس کے جسم کی لچیلی نزاکت یہ سب باتیں اسکی خوش سلیقگی، متانت و سنجیدگی کے ساتھ ملکر ایک ایسی فضا پیدا کر رہی تھیں کہ ہر شخص کو اس سے متاثر ہونا چاہئے اور غلط ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ مجھ پر کوئی اثر اس کا نہیں ہوا۔ لیکن ایسی صورتوں میں میرا فلسفہ صرف یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اپنے آپ پر غور کرتا ہوں اور جب اس نتیجہ پر پہونچتا ہوں کہ میں انسان ہوں اور انسان ہی تک میری . . . . رسائی ہوسکتی ہے تو پھر اس نوع کی آسمانی مخلوق کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اگر توجہ ہوتی بھی ہے تو بالکل نمایش کی حیثیت سے۔ میرے لئے موقعہ تھا کہ میں مقابل کی بنچ پر بالکل اس کے سامنے اور . . . . اس کے بہت قریب ہوکر بیٹھ جاتا، لیکن میں نے ایسا نہیں کیا صرف احترام نسوانی کے خیال سے کہ ممکن ہے اسے کچھ تکلیف ہو اور وہ آزادی کے ساتھ گفتگو نہ کر سکے۔ میں یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ ایک مولانا مع اپنی تمام خصوصیات ظاہری کے داہنے ہاتھ میں مٹھائی کی ہانڈی، اور بائیں ہاتھ میں طہارت کا لوٹا لئے ہوئے (جام بدستے و سبوئے بدست) اندر داخل ہوئے اور بیک نگاہ گاڑی کا جایزہ لیکر بلا پس و پیش اپنا محاذ انہوں نے اسی جگہ قایم کر دیا جس کو میں نے قصداً چھوڑ دیا تھا۔

مجھے پہلے ہی ان کی وضع و صورت اور اس ناشایستہ حرکت سے یقین ہوگیا تھا کہ ہو نہ ہو یہ کوئی مولانا ہے، لیکن اتفاق سے اسی درجہ میں ایک وکیل صاحب ان کے شناسا اور ملگئے اور انہوں نے مولانا کے لفظ سے خطاب کرکے اور پھر توثیق ثبت کر دی۔

مولانا کی عمر ۵۰ سے متجاوز ہوگی، لیکن صحت ماشاءاللہ بہت اچھی تھی اور مصنوعی دانتوں کی آب و تاب، اور داڑھی کا خضاب جو ہر چند طاؤسی ہوگیا تھا، بتا رہا تھا کہ ہنوز زعم جوانی موجود ہے۔ تمام اعضا صحیح و سالم تھے، البتہ داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھا کچھ ٹیڑھا، اور مفلوج سا تھا، جو غالباً عمل جراحی کا نتیجہ تھا کیونکہ ہاتھ پر ایک بڑا نشان اسکا پایا جاتا تھا۔

مولانا کو اسقدر اپنے سے قریب دیکھکر اس خاتون نے آنچل کی اوٹ سے نیچے ہی نیچے بہت غور سے دیکھا اور نہایت ہی مخفی تبسم کے ساتھ اس نے شوہر کو اور شوہر نے اسے دیکھا اور دونوں پھر باتوں میں مصروف ہوگئے۔

مولانا نے سب سے پہلے اپنی نشست کا انداز اس طرح قایم کیا کہ چہرہ، اسی طرف رہے اور اس کے ماتھے کی سرخ بندی جو بیر بہوٹی کی طرح دہک رہی تھی نگاہ سے اوجھل نہ ہو جب وہ اپنے نشانہ و ہدف کی طرف سے مطمئن ہوگئے، تو انہوں نے چاہا کہ کسی طرح اس کے شوہر سے بے تکلفی پیدا کرکے

اپنے آپ پر گلچینیِ جمال کو حلال کرلیں، لیکن بدقسمتی سے وکیل صاحب جو ان کے شناسا تھے الف لیلہ کے کم گو حجام سے کم باتونی نہ تھے اور انہوں نے جو مولانا سے گفتگو شروع کی تو پھر اس کا موقعہ ہی نہ دیا کہ وہ کسی طرف اور متوجہ ہوتے۔ ہر چند مولانا کی چین پیشانی، بے رخی، چہرہ کی عبوست اور کبھی کبھی اخبار لیکر اس کے مطالعہ کی کوشش کرنا صاف کہہ رہا تھا کہ وہ کسی مداخلت کو پسند نہیں کرتے اور انکی توجہ و مراقبہ کو صدمہ پہونچ رہا ہے لیکن وکیل صاحب جو اپنی پہنائی اور قد و قامت کے لحاظ سے ابوالہول (Sphinx) کی مجسمیت ہوتے تھے، اس غریب مولانا کے آزار کو نہ سمجھ سکے اور برابر انکی یکسوئی خیال و نگاہ میں حارج رہے۔ لیکن باوصف اس کے مولانا نے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے ہدف کو فراموش نہیں کیا اور اپنے کسی لمحہ عزیز کو انہوں نے بیکار جانے نہیں دیا۔ وہ باتیں کرتے تھے مگر نگاہ کا سمت نہ بدلتا تھا، وہ وکیل صاحب کے سوالوں کا جواب دیتے تھے مگر ہر جواب کے دوران میں اس "سرمایۂ جاں" کا مطالعہ ضرور کرلیتے تھے۔ وہ کوشش کرکے اپنے ہاتھ کی معیوب و کج انگلیوں کو چھپاتے تھے کہ مبادا وہ خاتون اس عیب کو دیکھ کر ان کو چاہنا چھوڑ دے، وہ آواز میں اک خاص قسم کا مصنوعی لوچ اور لحن پیدا کرکے گفتگو کرتے تھے، وہ اپنے قہقہہ میں ایک سیمیں جھنکار پیدا کرنیکی سعی فرماتے تھے (کانہ درہم رنان) وہ اپنی خوشدلی، قابلیت، جاہ و ثروت، دولت و امارت کا ثبوت دینے کیلئے کبھی کبھی [illegible] بھی کتنے فارسی کے اشعار بھی پڑھتے بڑے بڑے لوگوں کے نام اور ان سے اپنے تعلقات کو بھی ضمناً ظاہر کرتے جاتے تھے اور سب سے زیادہ زور اس پر دے رہے تھے کہ دنیا میں تعصب سے زیادہ بری کوئی چیز نہیں اور بھئی میرا مسلک تو یہ ہے کہ "با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام" "رام رام" کہہ کر جس وقت مولینا نے اس عورت کو دیکھا تو وہ بھی انہیں دیکھ رہی تھی اور میں بھی ان دونوں کے دیکھنے دیکھ رہا تھا، اور آخر کار جب تینوں نگاہیں مرکز اجتماع سے ہٹیں تو اس طرح کہ تینوں نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک کو دیکھا مگر یہ منظر پیدا کرتے ہوئے کہ مولانا اپنی جگہ مست تھے اور وہ خاتون محجوب۔ الغرض مولانا کے تمام لاعبانہ تیور اس کا پتہ دے رہے تھے کہ وہ انہیں لوگوں میں تھے جو

این کار را بہ شیوۂ کار آگہاں کنند

جب مجھے پوری طرح یقین ہوگیا کہ مولانا کی خوش طبعی اتنی کافی طور پر بڑھ گئی ہے اور انہیں ذوق کامل ہوگیا کہ سارے درجہ میں صرف انہیں کی ذات ایسی ہے جس پر وہ خاتون مایل ہو سکتی (ہو سکتی کیا ہو ہی گئی ہے) تو میں سنبھلا اور میں نے آگے بڑھ کر باادب عرض کیا کہ اگر جناب اجازت دیں تو چند مسایل حضور سے دریافت کرلوں، جو اسی وقت میرے ذہن میں آگئے ہیں۔ وہ یہ سنکر دفعتہً چونک پڑے اور بولے "ہاں ہاں کہئے، ہم لوگ اسی لئے ہیں" اور یہ کہکر پھر ایک خاص پندار کے ساتھ اس طرف دیکھ لیا۔ میں نے عرض کیا کہ "مجھے یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ جناب تنہا عالم ہی نہیں ہیں بلکہ ادیب و شاعر بھی ہیں جیسا کہ آپکی شعر خوانی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس بنا پر مجھے یہ دریافت کرنے کی جرات کرنا چاہیئے کہ کیا "غنار خانۂ ہمسایہ" اور "حسن بگذرے" سے فایدہ اٹھانے کا مسئلہ محض شاعرانہ ادعا ہے یا واقعی کوئی شرعی حقیقت اس میں پنہاں ہے" یہ سنکر ان کے چہرے پر پہلے اک ہلکی سی سرخی عتاب کی اور پھر زردی حجاب کی نمودار ہوئی اور پہلو بدلکر بولے کہ آپ کو مجھ سے مذاق کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ میں نے کہا کہ "بندہ نواز، میں آپ سے مذاق کر سکتا ہوں، میں تو واقعی آپ سے سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں کیونکہ بسا اوقات سفر حضر میں ایسا ہوتا ہے کہ نگاہ مجبوراً اٹھ جاتی ہے اور میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے آخرکار کانپ اٹھتا ہوں کہ کہیں آخرت میں بازپرس نہ ہو"

مولانا نے مجھے غور سے دیکھا اور بولے کہ "یہ صورت تو عذاب سے ڈرنے والوں کی نہیں ہوتی، داڑھی منڈی ہوئی، مونچھ بڑھی ہوئی اور پیشانی سجدے کے نشان سے خالی"

میں۔ "بجا ارشاد ہوا، میں اپنی صورت سے سب سے زیادہ شناسا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ عذاب سے ڈرنے والی صورت کیسی ہوتی ہے، سامنے ہی موجود ہے، صراحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں تو آپ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں، اور آپ کو اس کا جواب بہ حیثیت عالم دین ہونے کے دینا چاہیے، عام اس سے کہ میری داڑھی منڈی ہوئی ہے یا خضاب سے رنگی ہوئی، میرے منھ میں دانت اصلی ہیں یا مصنوعی، میری انگلیاں سیدھی ہیں یا ٹیڑھی، میری عمر باپ ہونے کی ہے یا شوہر بننے کی"

یہ سننے کے بعد مولانا کا غصہ ضبط سے باہر ہو گیا اور آستینیں چڑھا کر بولے کہ "تم مجھ سے مسخرہ پن کرتے ہو۔ یاد رکھو میں بدمعاشوں کے ساتھ بدمعاش بھی ہوں"

میں نے عرض کیا کہ "میں یوں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں" اس تنقید کی تاب وہ کیا لا سکتے تھے، بے اختیارانہ طور پر اٹھ کھڑے ہوئے اور میں اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھا رہا، کیونکہ فنون سپہ گری کی رو سے اس قسم کا بہترین جواب حملے کے بعد ہی ہو سکتا تھا، لیکن وکیل صاحب نے ان کو پکڑ لیا اور سارا درجہ مخاطب ہو کر ان کو سمجھانے لگا کہ جانے دیجئے آپ بزرگ ہیں اپنی طرف خیال کیجئے اور جنیں جناں" میں نے کھڑکی کی طرف رخ کر لیا اور جب چند منٹ کے بعد سکون ہو گیا تو میں پھر ان کی طرف متوجہ ہوا اور بولا کہ "مولانا اگر غصہ فرو ہو گیا ہو تو عرض کروں کہ میرے سوال کا جواب مرحمت ہو" یہ سن کر سارے درجہ والے تو خیر ہنس ہی پڑے تھے، وہ خاتون بھی مسکرانے لگی اور ان کی طرف دیکھنے لگی۔

مولانا بولے کہ "خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑیئے میں آپ سے بات کرنا نہیں چاہتا" میں نے کہا کہ "بات نہ کیجئے تو لکھ کر بتا دیجئے، کیونکہ اس مسئلہ کا جواب تو حسب المراد سوائے آپ کے اور کوئی دے ہی نہیں سکتا"

وکیل صاحب خوش مزاج انسان تھے، انہوں نے کہا کہ "مولینا کیا حرج ہے آپ کیوں نہیں بتا دیتے" مولانا بولے کہ "آپ نہیں سمجھتے یہ مجھے بیوقوف بناتے ہیں، ورنہ کیا یہ خود نہیں سمجھ سکتے کہ جو کچھ یہ پوچھ رہے ہیں محض شاعرانہ بات ہے اور شرع ......"

"نہیں مولانا واللہ ایسا نہیں ہے، مجھے اسوقت تک تو صرف گمان ہی تھا، لیکن آج یقین ہو گیا کہ غنائے خانہ ہمسایہ جایز ہو یا ناجایز، لیکن حسن رہگذرے سے لطف اٹھانا قطعاً جایز ہے"

مولانا۔ "یہ کیونکر آپ کو یقین ہو گیا"

میں۔ "ایک بنی اسرائیل کے نبی کے طرز عمل سے"

مولانا۔ "وہ کون نبی ہے"

میں۔ "آپ تو اس طرح دریافت کرتے ہیں گویا آپ علماء امت سے ہی نہیں اور آپ کا کوئی عمل مجھ ایسے عاصی کے لئے حجت ہو ہی نہیں سکتا"

یہ سن کر مولانا غصہ میں اٹھے اور لوٹا لیکر منھ بناتے ہوئے بیت الخلا چلے گئے۔ ایک اسٹیشن درمیان میں باقی تھا کہ وہ باہر آئے اور جب اپنی جگہ بیٹھ گئے تو میں نے پوچھا کہ "تشبہ کسی قوم کے ساتھ ایک شخص کو اسی قوم میں داخل کر دیتا ہے، اس لئے اگر ہمارے ہاں کی عورتیں بھی

خ بیندی کا استعمال کریں تو وہ ہندو ہو جائیں گی آپ کا کیا خیال ہے"

مولانا۔ "بیشک بیندی کا استعمال ہماری عورتوں کو نہ کرنا چاہئے"

میں۔ "لیکن مولانا، یہ تو آپ نے دیکھا کہ ہے بڑی پیاری چیز اور خاصکر گورے رنگ پر تو قیامت ہی ہو جاتی ہے"

مولانا۔ "حقیقت یہ ہے کہ تم ہو کوئی بڑے بدمعاش اور تمہیں وہ لوگ ہو جن کے لئے خدا نے عذاب دوام کی وعید نازل کی ہے"

اتنے میں پریاگ اسٹیشن آگیا جہاں مجھے اترنا تھا، مولانا بدستور بیٹھے رہے اور میں اتر پڑا، لیکن نیچے پلیٹ فارم پر جاکر میں نے ان سے کہا کہ مولانا خدا کے لئے صرف ایک بات کان میں سن لیجئے۔ مجھے حیرت ہے کہ انہوں نے کہنا مان لیا اور جب انہوں نے کھڑکی کے پاس آکر اپنے کان قریب کئے تو میں نے عرض کیا کہ "مولینا اس میں شک نہیں کہ مال اچھا ہے، کچھ یاروں کا بھی حصہ ہونا چاہئے"

یہ سنکر انہوں نے میری گوشمالی کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میں الگ ہٹ گیا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

اکاڈیمی کا دفتر پریاگ اسٹیشن سے صرف دو تین فرلانگ کا فصل رکھتا ہے، اور اس دس منٹ کے راستہ میں جس خیال نے میرے دماغ کو گھیر رکھا تھا وہ مولانا کا واقعہ نہ تھا بلکہ غالب کا یہ شعر تھا جسے میں گنگناتا جا رہا تھا:-

اگر بہ دل نہ خلد انچہ از نظر گزرد
زہے روانی عمرے کہ در سفر گزرد

تذکرۂ خندۂ گل

یا

ظریف شاعروں کا تذکرہ

جسمیں ۳۰۰ سو سے زیادہ اردو، فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات، انکے لطایف وظرایف اور انتخابات کلام درج ہیں۔ یہ کتاب اردو میں اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل اچھوتی چیز ہے اور ہر صاحب ذوق کی لائبریری میں اس کا رہنا ضروری ہے۔ تنہائی میں اس سے بہتر مونس، غمگینی میں اس سے زیادہ کامیاب ذریعۂ تفریح اور اہل تحقیق کے لئے اس سے زیادہ مواد اس موضوع پر اور کہیں نہیں مل سکتا۔ حجم تقریباً ۵۰۰ صفحات۔

قیمت مع محصولڈاک للعمر (چار روپیہ)

منیجر "نگار" لکھنؤ

ہماری فسانہ نگاری

اور

فسانۂ عجائب کے اجزائے ترکیبی

(بہ سلسلۂ سابق)

یہ مضمون بھی بہت پامال ہے اور طلسمی قصون مین اکثر جگہ پایا جاتا ہے۔ اسی صورت نے بہار دانش مین ملکزادہ کو مہربانو کی خلخال مچھلی کے پیٹ سے ملی ہے اور اسی کے ذریعہ سے وہ منزل مقصود پر پہونچا ہے، اسطرح مصنف بہار دانش نے ملکزادہ کو ایک ہولناک جنگل مین پہونچا کر دیوپہل سے کشتی کرائی ہے۔ اور اُسے سرحد عدم مین پہونچا کر پری نزاد کو رہائی دلائی ہے۔ وہان بجائے سفید دیو کے ایک وزیر زادہ کو ملکزادہ کا معین بنایا ہے۔

اسکے بعد انجمن آرا۔ اور جانعالم طوطے بنگئے ہین اور اُڑتے پھرے ہین۔ یہ وہی تبدیل قالب کا جادو ہے اور اس قسم کے واقعات مثنوی گلزار نسیم مین بھی موجود ہین

ملکہ مہر نگار ایک بادشاہ یا کسی رئیس کے قبضے مین پھنسی ہے اور اس سے معاہدہ ہوا ہے کہ برس دن تک اگر کوئی ڈھونڈھنے نہ آئے تو مین تیرے ساتھ شادی کرونگی۔ یہ معاہدات ایسی سرگشتہ شاہزادیان اکثر کیا کرتی تھین اس قسم کی بہت سی کہانیان مشہور ہین جو قریب قریب ہر شخص نے سنی ہونگی

اسکے بعد اُس طوطے کی بدولت جو اول مین جانعالم کا رفیق تھا مہر نگار اور انجمن آرا اور جانعالم کی ملاقات ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی قسم کی امداد طوطے نے بہار دانش مین کی ہے اور آخر کار وہی ذریعۂ ملاقات باہمی بن گیا ہے۔ نل و دمن کی خط و کتابت بھی طوطے ہی کی بدولت ہوئی ہے

اسکے بعد پورے قصہ مین ایک جگہ سردی کی شدت کا بیان ہے اور ختم ہے۔ رہنوردان عشق کو ایسے جنگل ملتے ہی رہتے ہین جہان وہ امت موسیٰ کی طرح سرگردان اور پریشان پھرا کرتے ہین۔ ان جنگلون مین کہین گرمی زیادہ ہوتی ہے کہین سردی۔ یہ کوئی نئی بات نہین ہے

فسانۂ عجائب کے درمیان مین جو حکایات لائی گئی ہین انکا طرز انوار سہیلی اور بہار دانش دونون سے ملتا ہے۔ مگر اسکو بہار دانش ہی کا صحیح تتبع کہا جا سکتا ہے۔ کوئی خاص جدت نہین ہے۔ غرضکہ یہ لحاظ نفس قصہ اول سے آخر تک کوئی نئی بات نہین ہے

عبارت کے لحاظ سے اُس زمانہ کی کتابون مین فسانۂ عجائب کا ایک خاص درجہ ہے۔ اور بغیر رعایت کہا جا سکتا ہے کہ سرور نے جس رنگ سے اس فسانہ کو تمام کیا اس کا جواب نہین۔ پھر بھی دو تین باتین اس مین ایسی ہین جنسے عبارت کی زیب و زینت کو ایک داغ لگ گیا ہے

(۱) مصنف کو نثر مقفّے کرنیکی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہے اور اسکی وجہ سے قوافی مین رطب یابس سبھی بھر دیتا ہے۔ کوئی بات حسب موقع اور حسب حال ہو یا نہو مگر کبھی کبھی قافیہ کی مجبوری کی وجہ سے لانا پڑتی ہے اور اس سے صاف تصنع اور بناوٹ کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ رنگ فسانۂ عجائب کی عبارت مین اول سے آخر تک ہے مثال کے لیے چند فقرے چنکر پیش کرنا بیکار محض ہے کیونکہ یہ کوئی ایسی بات نہین ہے کہ اس کے لئے چند صفحات کافی ہون اسکے لئے ضرورت ہے کہ کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا جائے ہلکی سی نظر فکر کے سامنے یہ سب کرشمے آجاتے ہین

(۲) بتانے والے بتاتے ہین کہ فسانۂ عجائب کی عبارت اُس زبان مین لکھی گئی ہے جو خاص بیگماتی یا شاہی زبان ہے حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ سرور نے گو اسکی کوشش کی ہے۔ مگر وہ متوسط فرقہ کی زبان سے آگے او سکو بڑھا نہین سکے، اور بعض جگہ تو اسدرجہ گر گئے ہین کہ ارازل و ادانی کی زبان کو بھی مات کر دیا ہے مطلق یہ خیال نہین رکھا کہ یہان کیا کہنا چاہئے اور کیا کہتے ہین۔ وہ دکھاتے ہین کسی شخص کو فرقۂ اعلی مین سے مگر اوسکی گفتگو ایسی بیموقع اور خلاف امید ہوتی ہے کہ کتاب کا درجہ اس سے پست ہو جاتا ہے۔ مثلاً چند فقرے ملاحظہ فرمایئے۔ جانعالم ہزارون تمناؤن لاکھون آرزوؤن کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ وہان سرور اسکی خوبصورتی کے بیان مین رطب اللسان ہین۔ مگر ساتھ ہی ایک ایسے بچہ کے لئے جسے پیدا ہوئے ابھی دو گھنٹے بھی نہین گزرے یہ فقرے بھی لکھ جاتے ہین "کاسہ سر سراسر شور جوانی زور شباب سے معمور۔ آنکھین جھپکانے والی دیدۂ غزال ختن کی شراب عشق کے نشے سے چکنا چور" اسی طرح ایک جگہ جہان جادوگرنی بیان کرتی ہے کہ لے جانعالم مین مدتون سے تیری شیدا تھی وہان یہ بھی کہتی ہے کہ "آج لات و منات کی مدد سے تو میرے قابو مین آیا" حالانکہ لات و منات کو جادو سے کوئی تعلق اور واسطہ نہین۔ یا۔ اسی جادوگرنی سے جب شاہزادہ یہ کہتا ہے کہ مین تیرے پاس رہون تو کیونکر رہون مین محض انجمن آرا کے لئے گھر سے نکلا ہون حکومت کی مجھے پروا نہین ہے وہان شہزادہ کے منہ سے یہ فقرہ نکلا ہے۔ "اللہ کی عنایت سے گھر کی حکومت چین کرنے کو کافی تھی" یہ وہ فقرہ ہے کہ شاہزادہ تو شاہزادہ ایک رئیس بلکہ ایک متوسط درجہ کا آدمی بھی نہین کہہ سکتا۔ ایسے ہی جادوگرنی نے جسوقت شاہزادے کو تعویذ دیا ہے تو اُس سے کہا ہے کہ تو یہان اکیلا رہتا ہے ڈرتا ہوگا۔ تو سرور شاہزادے کی شجاعت کے تمام گذشتہ افسانے بھول جاتے ہین اور شہزادے کی زبان سے یہ زنانے جملے کہلا دیتے ہین "کوئی ہمین مار ڈالے تو دن بھر مفت مٹی خراب رہے" ایک تو یہ کہنا کہ کوئی ہمین مار ڈالے دوسرے یہ کہ دن بھر مٹی خراب رہے۔ کچھ ایسے ہین جنکی کوئی گنجائش ایسے محل پر نہین

جادوگرنی نے شہزادے کو ایک نقش سلیمانی دیا کہ اسے بازو پر باندھ لو اُسنے باندھ لیا۔ ایک روز جو اتفاق وقت سے اسکو کھولکر دیکھا تو اُس کا یہ نقشہ تھا "بست در بست کا نقش۔ ہر خانے مین اسمائے الٰہی معہ ترکیب و تاثیر تحریر تھے۔ دیکھتے دیکھتے خانۂ مطلب مین نظر پڑی، لکھا تھا کوئی شخص کسی ساحر کی قید مین اگر ہو یہ اسم پڑھے نجات پائے" ہمارے نزدیک یہ بالکل نئی بات ہے کہ نقش مین یہ باتین درج ہون۔ اس طرح سے تو کوئی عمل کی کتاب ہو سکتی ہے نہ کہ نقش کی یہ ایک غلطی ہے۔ اور سخت غلطی ہے۔

ملکہ مہر نگار شاہزادے سے کہتی ہے۔ کہ میرے باپ نے ہر چند مجھسے شادی کو ارشاد کیا مینے بسبب مفارقت انکار کیا۔ اب دفعتاً آفت آسمانی و بلائے ناگہانی مجھپر ٹوٹ پڑی کہ بیک نگاہ عاشق کیا دیوانی ہو گئی" جہانتک خیال کیا جاتا ہے آخری فقرے ایک شاہزادی ورده بھی

ناکتخدا کبھی نہین کہہ سکتی۔ اور پھر وہ بھی ایک ایسے اجنبی شخص سے جو صرف ایک رات رہا ہو

ملکہ مہر نگار اپنے باپ کی تعریف کرتی ہے۔ کہ "ہر چند ظل سبحانی عامل بے بدل ساحر بے مثل ہین علوی سفلی سب کچھ پڑھا لکھا" علوی سفلی کا پڑھنا لکھنا اس بات سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ ظل اللہ عامل بھی ہین اور ساحر بھی۔ درویش متشرع مسلم بھی ہین۔ اور جادوگو زندیق اور کافر بھی

جانعالم جب ملکہ مہر نگار سے رخصت ہوتا ہے تو ملکہ وہ فقرے فرماتی ہین جو بزرگ اپنے چھوٹون کے پردیس جانے کے وقت کہتے ہین "جس طرح پیٹھ دکھاتے ہو اسی صورت اللہ تمھارا مُنھ دکھائے"

جانعالم جب شہر زرنگار مین پہونچا ہے تو وہان کے بازار کی آب وتاب لکھتے ہوئے مصنف یہ مبالغہ آمیز فقرہ لکھتا ہے "کوئی شے کسی طرح کا اسباب ایسا نہ تھا کہ اس بازار مین نہ تھا مغرب مشرق کی اشیائے نادرہ کا ہر جا انبار تھا" یہ لکھکر اشیائے نادرہ کا بیان اس صورت سے کیا جاتا ہے۔ حلوائی۔ نان بائی۔ کنجڑے۔ قصائی۔ سقون کے کٹورون کی جھنکار میوہ فروشون کی پکار۔ دلالون کی بول چال وغیرہ وغیرہ مگر اشیاء نادرہ کا کوئی ذکر نہین ہے

شہزادہ جب انجمن آرا کے چھوڑانے اور جادوگر سے لڑنے کے لئے چلا ہے۔ اور انجمن آرا کی مان کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ کوئی ایسا حسین شہزادہ انجمن آرا پر عاشق ہو کر آیا تھا اور وہ جادوگر سے لڑنے جاتا ہے۔ تو وہان مصنف لکھتا ہے "انجمن آرا کی مان ور دولتسرا پر چلی آئی" سمجھ مین نہین آتا کہ وہ بیگم کسقدر شریف اور عفت مآب تھی۔ اسکے بعد مصنف نے یہان وہ سمان دکھایا ہے کہ جیسے ایک داماد کی متمول سسرال مین تواضع ہوتی ہے جسکا بظاہر کوئی محل نہین ہے۔

جادوگر کے قبضے سے چھوڑانے کے بعد انجمن آرا کی پہلی ملاقات جانعالم سے ہوئی۔ یا تو جانعالم وہ شریف اور ضابطہ عاشق تھا کہ فرشتے اُسکے دامن پر نماز پڑھتے تھے یا انجمن آرا کو دیکھتے ہی بالکل بدحواس ہو گیا وہان مصنف لکھتا ہے کہ "ہر چند ضبط کیا نہ ہو سکا۔ تھراتا۔ دم چڑھ جاتا۔ دوڑ دوڑ کر گرد پھرنے لگا لڑکھڑاہٹ سے گرنے لگا" اسی طرح یہ کہ انجمن آرا ایسی شریف۔ بھولی شرمیلی لڑکی جسکا کیرکٹر مصنف نے ہمیشہ بہت ہی شرمیلا دکھایا ہے۔ پہلی ہی ملاقات مین باوجود اس دیوانگی کے جان عالم پر عاشق ہو گئی۔ اسجگہ مجھے بیساختہ نصیبی کا یہ شعر یاد آتا ہے

زندہ در عشق چسان بود نصیبی مجنون ۔۔۔ بیش ازین عشق مگر اینہمہ دشوار نبود

(لے خدا کیسے تھے وہ رقیق القلب۔ اور جلد باز عاشق۔ آج تو ایک کا بھی جلوہ نظر نہین آتا) مگر آگے چلکر مصنف کو تنبہ ہو جاتا ہے اور فوراً کہتا ہے کہ انجمن آرا نے یہ حرکتین دیکھکر جانعالم سے شرما کر سر جھکا کر کہا سنبھلو صاحب کچھ پاس و لحاظ بھی کسی کا نہین "اللہ اکبر کیا عذر گناہ بدتر از گناہ کی مثال کوئی اس سے زیادہ مل سکتی ہے۔ کیا ایک شاہزادی کی یہ گفتگو بیباکانہ تسلیم کیجائیگی

اسکے بعد بھی انجمن آرا سے ضبط نہ ہو سکا۔ اُسنے شاہزادہ کا جو بے ہوش تھا۔ سر اپنے زانو سے ناز نین پر رکھ لیا۔ اور جب جانعالم کو ہوش آیا تو اسنے زانو ہٹا لیا۔ مگر اس جگہ جانعالم نے جس رذالت اور شہدے پن کا ثبوت دیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے یعنی "یہ کہہ کے آنکھین بند کر لین کہ پھر ہمین غش آیا تمنے زانو کیون سرکایا اسپر بی انجمن آرا چڑھ گئین کھسیا گئین اور ایسا جواب دیا کہ

طرّاق سے کہا کیا خوب اتنا اختلاط میری چڑھتا ہے۔ مین نے تیری محنت اور مشقت پر نظر کرکے یہ انسانیت کی حرکت کی تھی۔ تم چل نکلے۔ خدا جانے دل مین کیا سمجھے۔ اپنی راہ لیجئے۔ چلتا دھندا کیجئے واہ واہ نیکی برباد گنہ لازم،، انجمن آرا کے یہ بازاری فقرے۔ چل نکلے۔ چلتا دھندا کیجئے اپنی راہ لیجئے وغیرہ۔ ایسے ہین کہ کوئی شریف نوجوان لڑکی نہین کہہ سکتی۔ اسپر حضرت جانعالم کے یہ سوقیانہ جواب اور پھکڑ مذاق اور بھی سونے مین سہاگے کا عالم دکھاتے ہین ''چور کی داڑھی مین تنکا۔ تمھین اپنا عاشق کبھی نہ سمجھون گا۔ نہ معشوقون کے دفتر مین آپ کا چہرہ لکھونگا'' خیر اسپر بھی اگر بس کرتے تو خیر۔ مگر سرور مرحوم انجمن آرا سے یہ بیسواؤن کے سے فقرے بھی کہلاتے ہین۔ ''چہ خوش بھلا دل تو بہلا لو۔ کچھ ہو یا نہو زبان کا مزا نکالو۔ یہ تو وہی مثل ہوئی ''مان نہ مان مین تیرا مہمان'' عشق اور عاشقی کی باتین میری بلا جانے۔ رمز و کنایہ کسی اور سے جا کے کرو۔ اپنا چوچلا تہ کر رکھو۔ اپنی صورت تو غور سے دیکھو تم نے سنا نہین۔ حلوا خوردن را روے باید،، انجمن آرا کی اس تقریر کو پڑھکر یہ معلوم ہوا کہ بھٹیاریان سرائے مین لڑ رہی ہین اسپر میان جانعالم کا یہ ارشاد سبحان اللہ وبحمدہ۔ کیا کہنا۔ گویا صاف صاف انجمن آرا کی عفت پر حملہ ہے ''مین بیچارہ خستہ تن۔ غربت زدہ دور از وطن بہنت ہن کہان سے لاؤن کیون کر ویسی صورت بناؤن۔ ایک ہنستا ہے ایک روتا ہے۔ کفر و اسلام مین بڑا فرق ہوتا ہے۔ تمھین ابھی تک موہن بھوگ کا ذائقہ نہین بھولا ہے دم تقریر زبان پر حلوا ہے''

مگر انجمن آرا بھی ایسی ڈھیٹ تھی کہ کسی طرح خاموش نہین ہوتی کہتی ہے ''کہا چلو۔ صاحب ہوا قربان کیا تھا۔ اپنی چونچ بند کرو کٹی جلی کی ہنسی اپنے گھر جا کر کرو'' یہ وہ باتین ہین جنھین سرور کے قلم نے ایک شاہزادی کے بجائے ایک بیسوا کا کیرکٹر دکھایا ہے اور جانعالم کو بجائے ایک شریف کے اچھا خاصہ لچا غنڈا بدمعاش بنا کر دکھایا۔

جسوقت انجمن آرا کو مانجھے بٹھایا گیا ہے یا منگنی کی گئی ہے وہان تو سرور کے قلم نے وہ انوکھی باتین لکھی ہین کہ کیا کہا جائے۔ اراذل اور ادانی کے یہان بھی وہ باتین نہین ہوتین۔ اول تو بیگمات مین ان رسوم کا دستور کہان ہے۔ اور اگر ہے تو اسقدر بیحیائی مان کے ملیتیانہ سوال کا ایسا بے باکانہ جواب انجمن آرا ہی کا کام تھا۔ سرور لکھتے ہین ''اُسنے پہلے بیٹی کو گلے سے لگایا۔ پیار کیا۔ پھر کہا سنو پیاری دنیا کے کارخانے مین یہ رسم ہے کہ بادشاہ کے گھر سے فقیر تک بیٹی کسی کی مان باپ پاس ہمیشہ نہین رہتی۔ اور غیرت دار کے گھر مین کی جوان ہر وقت رنج کا نشان خفت کا سامان ہے اور خدا و رسول کا حکم بھی یہی ہے۔ کہ جوان کو تنہا نہ رکھو۔'' بھلا خیال تو کیجئے کہ ایک مان اور مان بھی ملکہ۔ کیونکر یہ باتین اپنی بیٹی سے کہہ سکتی ہے۔ یہ باتین تو شریف غریب لوگون مین بھی نہین ہوتین۔ جن فقرون کے خط کھینچا گیا ہے اونکو بار بار پڑھئے اور سمجھئے

آگے چلکر مان اپنی بیٹی کو جتاتی ہے کہ ایک شخص تجھپر عاشق ہے۔ اور تجھسے زیادہ خوبصورت ہے۔ اسپر انجمن آرا رد کر کہتی ہے کہ صورت شکل کا کیا ذکر ہے '' مان بیٹون مین یہ باتین کسقدر فطرت سے دور معلوم ہوتی ہین اور کسقدر بیحیائی ان مین کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے۔

اسی وقت انجمن آرا اپنی مان سے یہ بھی کہتی ہے ''خدا جانے وہ کون ہے کہان سے آیا ہے اپنے منہ سے میان مٹھو شہزادہ بنا یا ہے۔ آپکی لونڈی ہون ہر صورت فرمانبردار ہون اگر کنوئین مین جھونک دو چاہ سے گر پڑون اُف نکرون مگر جو آپ اسکی شکل پر ریجھ محنت و مشقت کو

سمجھ بوجھ یہ مقدمہ کیا چاہتی ہین تو مین راضی نہین،" اس عبارت کا ایک ایک فقرہ انجمن آرا کی بیباکی اور ناہمواری کا پتہ دیتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر آوارہ رہی ہے

اسپر ستم بالائے ستم یہ ہوتا ہے کہ مغلانیان وغیرہ سمجھاتی ہین۔ اونکی بھی فقرے وہی حماقت آمیز دور از عقل ہوتے ہین جو فرقۂ اراذل مین رائج ہین ملاحظہ ہون "قربان جاؤن واری ماں باپ کی عدول حکمی خدا اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہے۔ تمھین انکار مناسب نہین خدا اور رسولؐ نخواستہ یہ کیا تمھارے دشمن ہین جو راہ چلتے کے حوالے کسی کے کہے سُنے سے بے دیکھے بھالے کر دینگی،"

رسم زمانہ کے موافق سرور نے شب عروسی کا سمان بھی دکھایا ہے مگر وہ حیاسوز منظر ہے کہ صاحبقران اور جان صاحب کے دیوانون مین نظر نہین آتا۔ مین اسپر کوئی تنقید کرنا نہین چاہتا صرف عبارت نقل کرتا ہون اور خط کھینچتا ہون

"خواہش کو اضطرار۔ حیا مانع کار۔ شرم برسر تکرار دونون کے دم چڑھ گئے تھے جنگ زرگری کا زور بیان کر رہے تھے۔ شہزادی موقع پر ہاتھ نہ لگانے دیتی تھی۔ بے بس آجاتی تھی تو چٹکیان لیتی تھی۔ گاہ کہتی تھی اتنا کوئی گھبراتا ہے دیکھو تو کون آتا ہے۔ کبھی خود اٹھ کے دیکھتی بھالتی تھی کوئی دم یون ٹالتی تھی اسی موقع پر سرور نے فردوسی کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے

چنان بُرد و آورد و آورد و بُرد — کہ دایہ زحسرت پس پردہ مُرد

رشک وحسرت سے جگر صدف چاک ہوا دشمن کمبخت در پردہ ہلاک ہوا

تقاضائے سن، الھڑ پنے کے دن اُسوقت دونون گھبرائے اور وہ کیفیت سب بھُولی جب دامن سب مین چادر پلنگ پر شفق صبح پھولی۔ صبح ہوئی تو دولہا دولھن اُٹھے۔ اوس موقع پر سرور نے نہایت ہی رکیک الفاظ استعمال کئے ہین اور پھر لطف یہ کہ یہ الفاظ نہ صرف رکاکت پر مبنی ہین بلکہ ادنیٰ وہی بازاریت اور متوسط بلکہ ادانی کی زندگی کا نمونہ پایا جاتا ہے

"نمود سحر ہوئی۔ عام شب کی خبر ہوئی۔ دم صبح ایک سرخرو۔ دوسرا ژولیدہ مو۔ حمام مین داخل ہوئی۔ جو جو محرم راز شریک نور و گداز تھین انھون نے رات کی باتون کے پتے رمز و کنائے مین دئے۔ سب نے قہقہہ مارا جیب رو برو نجیری اور تنبول آیا شرما کے سر جھکایا۔

آخری فقرے تو بالکل اُس رنگ مین رنگے ہین جو معمولی لوگون کے گھر دیکھنے مین ہوتا ہے۔

جان عالم جب انجمن آرا کو لیکر رخصت ہوا تو پہلے مہرنگار کے شہر مین پہونچا تمام حشم و خدم۔ فوج و لشکر ساتھ تھی ایک جنگل مین قیام کیا۔ تب ملکہ کو خبر ہوئی۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے فوج کی فوج آئی اور ملکہ کو خبر نہوئی سبحان اللہ۔ پھر معلوم کرنے کے لئے عام عورتون کی طرح تماشا دیکھنے کوٹھے پر چڑھ گئی تب خبر ہوئی۔ کیا جان عالم استقبال نہ تھا۔ کہ خبر کرا دیتا اور مہرنگار کیسی امیرزادی تھی کہ کوٹھے پر سے عام لوگون کی طرح دیکھنے گئی۔ یہان کی عبارت یہ ہے

"بارہ دری سے نیچے اُتری پھر کہا خدا جانے یہ لشکر کہان سے آکر اترا ہے۔ بلکہ ہنسکر بھیلہ سیر خواصون کے کندھون پہ ہاتھ دھر کوٹھے پر چڑھی جان عالم مہرنگار کے مکان پر معہ انجمن آرا آیا۔ دو نو نوجوان شاہزادیون کی گفتگو ہوئی۔ مگر وہ گفتگو جو بالکل بموقع ہے اور بازاری عورتون مین بھی شاید ایسی گفتگو نہوتی ہو"

"ملکہ آبدیدہ ہو کر بولی تم نے مجھے محجوب کیا۔ مین فقیر کی بیٹی تم شہزادے ہرچند شاہ وگدا دونون بندہ خدا ہین الا تمھارے قدم آنکھوں پر رکھون تو بجا ہے۔ آپ کے آنے سے مجھے بڑا افتخار حاصل ہوا ہے۔ انجمن آرا بولی ہم نے خوب کیا رنڈی یہ چوچلے کی باتین بیگانہ وار نکرتی تو کیا ہوتا اے صاحب ہمارے تمھارے تو رشتہ ہمسری سررشتہ برابری ہے اور حساب کی راہ سے پہلے تو سلامتی سے تمھین ہو سرکار کا اُنس ہمین ملا ہے۔ پہلے مزا آپ نے چکھا ہے۔ جوبن لوٹا ہے"

واضح ہو کہ یہ وہ انجمن آرا ہے جسکا کیرکٹر ہمیشہ مصنف نے نہایت ہی شرمیلا دکھایا ہے اور مہر نگار کے مقابلے مین ہر جگہ اُسکو بھولا بھالا ثابت کیا ہے

ملکہ مہر نگار کا باپ جب بعد نکاح ملکہ کو رخصت کرتا ہے تو شاہزادے سے وہ باتین کرتا ہے جو بالکل چھوٹے لوگون مین ہوتی ہین۔ ایک ایسے بادشاہ سے جو فقیر ہو گیا ہو یہ باتین اچھی نہین معلوم ہوتین۔ وہ کہتا ہے

"فقیر زادی کو کنیز عزیز جان کر نظر الطاف وکرم ہر دم رکھنا۔ یہ بھی خدمتگذاری مین قصور نکریگی اسے تمکو سونپا تمھین حافظ حقیقی کے سپرد کیا۔ لو خدا حافظ"

جب وزیر زادہ جانعالم کو تو اُسے سرا پردۂ خاص مین لیگیا۔ اس جگہ مصنف لکھتا ہے۔ "جتنی جلیسین انیسین مہ جبینین دونون شہزادیون کے ہمراہ تھین اسے دکھا فرمایا جس طرف تیری رغبت ہو دلوا دون وہ نطفۂ حرام اور خیال مین تھا عرض کرنیلگا"

چونکہ وزیر زادہ شاہزادے کا دخیل صحبت تھا تو دونون شہزادیون نے ان عامیانہ اور سوقیانہ الفاظ سے شاہزادہ کو سمجھایا۔ "ہر دم ایک شخص غیر اور جوان کو شریک صحبت خلا ملا رکھنا کیا مناسب ہے۔ اور آداب سلطنت سے بھی یہ امر بعید ہے شیطان کو انسان دور نجانے۔ غیر تو غیر اپنے کا کیا اعتبار"

جب وزیر زادہ جانعالم کے قالب مین آ گیا ہے۔ اور خیمہ مین آنے سے ملکہ کو کچھ شبہہ ہوا ہے تو اُسنے انجمن آرا سے وہ کلمے کہے جو عوام بھی نہین کہتے۔ "خدا خیر کرے آج بہت شگون بد ہوئے تھے صبح سے دہنی آنکھ پھڑکتی تھی راہ مین ہرنی اکیلی رستہ کاٹے میرا منہ تکتی تھی۔ اپنے سایہ سے بھڑکتی تھی خیمے مین اترتے وقت کسی نے چھینکا تھا خواب متوحش نماز کے وقت دیکھا تھا"

وزیر زادہ بصورت شہزادہ جب ملکہ کے خیمہ مین پہونچا تو ملکہ نے پوچھا آج کہان آرام کرو گے۔ ملکہ نے کہا یہین سو رہو۔ یہ بھی عجیب عامیانہ جملہ ہے جو ملکہ کی زبان سے نہین نکل سکتا۔

جب شاہزادہ جان عالم کو بصورت بوزنہ بادشاہ کے دربار مین لے چلے ہین تو ملکہ مہر نگار جھروکہ سے جھانک رہی تھی۔ اُسوقت ہزارون آدمیون کے مجمع مین وہ اسی جھروکے سے فرماتی ہین "ایکدم ٹھہر جائین اسکی تقریر کی مشتاق ہون" سوداگر نے ہاتھی روکا ملکہ نے کہا اے مقرر بے زبان گم کردہ خانمان اگرچہ اب ہم کس لایق ہین۔ مگر تیری داستان ظلم وجور کے شایق ہین" دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی شاہزادی کوٹھے پر تماشا دیکھنے کے لئے بیٹھ سکتی ہے اور کیا اتنے مجمع مین اسکو یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ اور کیا اسکی زبان سے یہ لفظ اچھے معلوم ہوتے ہین "کہ اب ہم کس لائق ہین"

جہان شاہزادہ جان عالم کا جسم معہ لشکر کے نصف پتھر کا ہو گیا ہے اور تمام لشکر مصیبت مین مبتلا ہے وہان مصنف کے یہ فقرے کسقدر برمحل معلوم ہوتے ہین "وہ رنڈیون کی زاری انجمن آرا کی بیقراری علی الخصوص ملکہ کے بیان سے زمین و آسمان کانپتا تھا"

رنڈیون کا لفظ اور ملکہ کا بین (بیان) کرنا علی الخصوص قابل داد ہین۔

جسوقت لشکر اس رنج و محن مین مبتلا ہوا ہے اتفاقاً ایک شاگرد ملکہ کے باپ کا پہونچا ہے اور وہ ملکہ کے خیمہ کے پاس آیا۔ وہان سر (؟) ملکہ کی زبان سے یہ فقرے ادا کراتے ہین "بھائی اسوقت پردہ کہان کا" یہ فقرے بالکل معمولی لوگون کے ہین

پیر مرد ملکہ مہر نگار کے باپ کا کیرکٹر مصنف نے ہر جگہ یہ دکھایا ہے کہ وہ ایک مرد فقیر مہذب قانع آدمی ہین۔ مگر وہ جب جادوگرنی سے لڑنے گئے تو یہ سوقیانہ گفتگو کرنے لگے۔ ملاحظہ ہو

"اے ننگ فرقہ بنی آدم مردود عالم تجھے جوش شہوت و لولۂ مباشرت نے آمادہ قتل ہزارہا بندگان اللہ بے جرم و گناہ کیا مین مرگ عزیزان دیکھون مرنے سے ڈرون۔ بقول تیرے آج نہ موا کل مر جاؤنگا" ایسے ہی جب وہ جادوگرنی پر فتحیاب ہو چکا تو کہنے لگا کہ "اسکا باپ شہنشاہ جادوان ہے کوئی دم مین ضرور آئے گا بکھیڑا مچ جائیگا" آخری فقرہ بالکل عوام کے رنگ مین رنگا ہوا ہے

اسیطرح اس مرد فقیر نے جادوگرنی کے باپ سے یہ گفتگو کی "جسکا خون زمین پر گرے گا۔ اسکا مظلمہ مواخذہ تیری بیٹی جو فاحشہ تھی اسکی گردن پر ہوگا ہم سمجھے تھے وہی ننگ خاندان تھی اب معلوم ہوا ایسون کے ویسے ہی ہوتے ہین تجھے سفید داڑھی کی شرم نہ آئی کہ وہ مرے تیر اکلنک کا ٹیکا مٹا" جو جو عامیانہ فقرے ہین وہ خود بکار رہے ہین مینے صرف خط کھینچدیا ہے

جان عالم سیر دریا کے لئے جارہا ہے۔ اور وہ ملکہ مہر نگار سے کہتا ہے "چلتی ہو" ملکہ کہتی ہے "آپکو اور لہر آئی نیا ڈھکوسلا سوجھا" ایک شوہر پرست ملکہ کی شاہزادے سے یہ گفتگو۔ یا شاہزادے کی یہ عامیانہ گفتگو کہ چلتی ہو کسقدر نازیبا ہے

ملکہ مہر نگار ایک شاہزادے کے یہان کشتی شکستہ ہو کر پہونچی ہے اُسنے بہت تواضع اور خاطر کی ہے اور مستدعی ہوا ہے کہ ملکہ اس سے شادی کرے۔ جب بہت مُصر ہوا تو ملکہ نے یہ فقرے کہے۔ جو بیحد عامیانہ ہین۔ اور ہرگز ایک ایسی عقلمند جلیل القدر شاہزادی کی زبان سے اچھے نہین معلوم ہوتے "جو میری خوشی چاہے تو برس روز کی مہلت دے اس عرصہ مین اگر کوئی ڈوبا تِرا میرے وارثون کا پتا ملا"

غرضکہ فسانہ عجائب اسی قسم کے۔ ناموزون فقرون۔ اور جملون سے بھری ہوئی ہے مصنف کو ایک جگہ بھی یہ خیال نہین رہتا کہ وہ کہان کا حال لکھ رہا ہے۔ اور کیسے جملے اُسکے قلم سے نکل رہے ہین۔ کن رسوم کا وہ ذکر کرتا ہے۔ اور کیا اُس کو ذکر کرنا چاہئے۔ غیر مہذب جملونکا طوفان قدم قدم پر امنڈ رہا ہے یہانتک کہ وہ جادوگرنی اور شاہزادے کے حال مین یہ جملے بھی لکھ گئے ہین "یہ کہکے گردن مین ہاتھ ڈالدیا وہ قحبہ تو... کھوئے بیٹھی تھی لپٹ گئی۔ ناچار خاطر افگار اوس تیرہ بخت کا منہ کالا کرکے ہاتھ منہ دھو اُسکے ساتھ سو رہا۔ وہ چڑھ مرانی بدمست لیٹتے ہی جہنم واصل ہوئی" اسکے بعد ہم تیسرے جزو کی طرف توجہ کرتے ہین۔ جنمین بعض داستانون مین سرور نے نظم کو نثر کا جامہ پہنا دیا ہے اور میر حسن کی محنت کو خاک مین ملا کر خود اُسکے مالک بن بیٹھے ہین۔ چنانچہ جہان بے نظیر کے پیدا ہونے سے پہلے بادشاہ نے نجومیون سے دریافت کیا ہے وہان میر حسن نے یہ سمان دکھایا ہے

یہ سنکر وہ رمال طالع شناس
لگے کھینچنے زایچے بے قیاس
دھری تختی آگے لیا قرعہ ہاتھ
لگا دھیان اولاد کا اُس کے ساتھ
جو پھینکین تو شکلین گئین بیٹھ بھل
کئی شکل سے دل گیا اون کا کھل
جماعت نے رمال کی عرض کی
کہ ہے گھر مین امید کی کچھ خوشی
بیاض اپنی دیکھی جو اس رمل کی
تو ایک ایک نقطہ ہے دو دو خوشی
زن و زوج کی شکل مین ہے فرح
بیا کرمئے وصل کا تو قدح
نجومی بھی کہنے لگے در جواب
کہ ہم نے بھی دیکھی ہے اپنی کتاب
نحوست کے دن سب گئے ہین نکل
عمل اپنا سب کر چکا ہے زحل
ستارے نے طالع کے بدلے ہین طور
خوشی کا کوئی دن مین آتا ہے دور
نظر کی جو تسدیس و تثلیث پر
تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر

کیا پنڈتون نے جو اپنا بچار
تو کچھ انگلیون پر کیا پھر شمار
جنم پترا شاہ کا دیکھکر
تلا اور برچھک یہ کرکے نظر
کہا رام جی کی ہے تجھ پر دیا
چندرمان سا بالک ترے ہوئے گا
نکلتے ہین اب تو خوشی کے بچن
نہو گر خوشی تو نہون برہمن
مہاراج کے ہون گے مقصد شتاب
کہ آیا ہے اب پانچوان آفتاب
نصیبون نے کی آپ کے یاوری
کہ آئی ہے اب پانچوین مشتری
مقرر ترے چاہیئے ہو پسر
کہ دیتی ہے یون اپنی پوتھی خبر
ولیکن مقدر مین کچھ اور بھی
کہ ہین اس بھلے مین برے طور بھی
یہ لڑکا تو ہوگا ولے کیا کہین
خطر ہے اسے بارھوین سال مین
نہ آوے یہ خورشید بالاے بام
بلندی سے خطرہ ہے اس کو تمام
نہ نکلے یہ بارہ برس رشک مہ
رہے برج مین یہ مہ چاردہ
کہا سنکے شہ نے یہ اُنکے تئین
کہو جی کا خطرہ تو اسکو نہین
کہا جان کی سب طرح خیر ہے
مگر دشت غربت کی کچھ سیر ہے
کوئی اسپہ عاشق ہو جن و پری
کوئی اُسکی معشوق ہو استری
کچھ ایسا نکلتا ہے پوتھی مین اب
خرابی ہو اسیر کسی کے سبب

سرور نے اسی مین اپنی ضرورت کے موافق تراش خراش اور رد و بدل کرکے جان عالم کے پیدا ہونے کے وقت یون لکھا ہے۔

"نجومی۔ پنڈت۔ جفردان۔ حاضر ہوے بہت سوچ بچار کر برہمنون نے عرض کیا۔ مہاراج کا بول بالا، جاہ و حشم، مرتبہ دوبالا اعلیٰ رہے ہماری پوتھی کہتی ہے۔ بھگوان کی دیا سے شہزادے کا چندرمان بلی ہے۔ چھٹا سورج ہے جو گرہ ہے سو بھلی ہے دیگ نیگ کا مالک۔ دھرم مورت یہ بالک رہے"

اسی کے بعد جیسا کہ بدر منیر مین نجومیون نے بینظیر کی آوارگی کا پتہ دیا ہے اسی طرح سرور نے جان عالم کی صحرانوردی کا مذکور کیا ہے "مگر پندرھوین برس مشتری بارھوین آئیگی سنیچر پاؤن پڑے گا" "گیان کی کرپا سے جان کی کھیر ہے۔ بڑی بڑی ہرنی کی سیر ہے"

اسمین شک نہین کہ سرور نے اس داستان کو بہت بڑھا کر اور اپنے قصہ کیموافق بنا کر لکھا ہے مگر یہ سب خیالات مثنوی میر حسن ہی سے لئے گئے ہین۔ اگرچہ الفاظ مین رد و بدل کر دیا گیا ہے۔ اور سرور کی آزادی نے اُن خیالات مین بھی اضافہ کر دیا ہے مگر اصل ماخذ سے کسی طرح انکار نہین ہو سکتا۔ سرور لکھتے ہین۔

"ایک سمت درخت گنجان چشمہ ہاے آب روان دیکھکر جا بیٹھا"

میر حسن بھی اسی عالم مین جبکہ شاہزادہ بدر منیر کے باغ مین پہونچا ہے لکھتے ہین

تھے اک طرف گنجان باہم درخت — کہ بیٹھے ہون جس طرح مشتاق سخت
لگا وان سے چھپ چھپ کے کرنے نظر — درختون سے جون ماہ ہو جلوہ گر

اسکے بعد مین دونون نے اپنے اپنے طرز پر اُس منظر کی الفاظ مین تصویر کھینچی ہے مگر جہان بینظیر نے بدر منیر کو۔ اور جان عالم نے ملکہ مہر نگار کو دیکھا ہے اور ایک خاص عالم طاری ہوا ہے اُسکے الفاظ بالکل مل گئے ہین۔ اور یقینی اُسکے موجد میر حسن ہین۔ ملاحظہ ہو

سرور کہتے ہین "یہ تو مدتون کا مسافت دیدہ مسافرت کشیدہ تھا۔ وہ زمین خجستہ اُسے بہت پسند آئی"

میر حسن۔ ملی جنس کی اپنے جو اسکو بو — لگا تکنے حیرت سے ہر ایک سو

یہ صدا جو اہتمام سواری آگے آگے کرتی تھین اونکے کان مین پڑی اور نگاہ جمال جان عالم سے لڑی

میر حسن کہتے ہین جو دیکھے تو ہے اک جوان حسین — درختون کی ہے اوٹ مین مہ جبین
یہ چرچا جو پھیلا تو ظاہر ہوا — ہر اک حال سے اُس کے ماہر ہوا

سرور کہتے ہین۔ سب اٹھکر اکر ٹھٹک گئین۔ کچھ سکتے کے عالم مین سہم کر جھجک گئین۔ کچھ بولین ان درختون سے چاند نے کھیت کیا ہے۔ کوئی بولی نہین ری سورج چھپا ہے۔ کسی نے کہا غور سے دیکھو ماہ ہے۔ ایک جھانک کر بولی باللہ ہے۔ ایک نے غمزے سے کہا چاند نہین تو تارا ہے۔ دوسری جی کڑے بولی اچھال چھکا تو بڑی خام پارا ہے۔ ایک بولی سرو ہے یا چمن حسن کا شمشاد ہے۔ دوسری نے کہا تیری جان کی قسم پرستان کا پریزاد ہے۔ کوئی بولی غضب کا دلدار ہے کسی نے کہا دیوانیو چپ رہو خدا جانے کیا اسرار ہے۔ ایک نے خوب جھانک تاک کے کہا خدا جانے تم سب کے دیدون مین چربی کہان کی چھا گئی ہے یہ تو بھلا چنگا ہٹا کٹا مرد وا ہے

اب دیکھئے میر حسن بالکل یہی تصویر دکھاتے ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ سوائے چند الفاظ کے سرور بھی کوئی فرق نہ دکھا سکے

یہ سن ایک سے ایک وان سب کی سب — پھرین برگ گل کی طرح غنچہ لب
جو دیکھین تو شعلہ سا روشن ہے کچھ — درختون کا روشن سا آنگن ہے کچھ
کسی نے کہا کچھ نہ کچھ ہے بلا — کسی نے کہا چاند ہے یان چھپا
کسی نے کہا ہے پری یا کہ جن — کسی نے کہا ہے قیامت کا دن
لگی کہنے اتنا کوئی اپنا کوٹ — ستارا پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ

ہوئی صبح سب اُٹھ گیا یہ حجاب درختون مین نکلا ہے یہ آفتاب
کسی نے کہا دیکھیو اے بوا کھڑا ہے کوئی صاف یہ مرد وا
کسی نے کہا یہ تو دلدار ہے کسی نے کہا کچھ یہ اسرار ہے

اسکے بعد سرور لکھتے ہین

"سواری جو رکی، ملکہ نے پوچھا خیر ہے"، سب نے ملکہ کو بتایا اور ملکہ آگے بڑھی۔ اسی کو میرحسن کہتے ہین

گئی بات یہ شاہزادی کے گوش یہ سنتے ہی جاتا رہا اسکا ہوش
کہا مین تو دیکھون یہ کہکر اُٹھی گیا سننا جی تو رہ کر اُٹھی
خواصون کے کاندھے پہ رکھ اپنا ہاتھ عجب اک ادا سے چلین ساتھ ساتھ
کچھ اک خوف سے ہول کھاتی ہوئی دھڑک اپنے دلکی مٹاتی ہوئی
کئی ہمدمین تھین جو کچھ وہ پڑہین دعائین وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑہین

سرور کہتے ہین "دیکھا ایک جوان رشک مہ بیر کنعان رعنا سرو قامت سہی بالا بحر حسن وخوبی کا دریکتا کاسہ سر سے فرشاہی نمایان بادۂ حسن ودلفریب سے معمور ہے۔ دماغ مین کشورستانی ہے۔ رہتی جوانی ہے"، اس تعریف کو سرور نے بھی طول دیا ہے اور میرحسن نے بھی اوران دونون داستانون مین خیالات کی یکرنگی ہے۔ الفاظ مین فرق ہے مگر بہت زیادہ فرق نہین۔ بلکہ بعض شعر خود فسانہ عجائب مین پورے پورے نقل کردئے ہین جیسے کہ

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن جوانی کی راتین مرادون کے دن

آگے جاکر جو مہرنگار اور جانعالم کے وصل کا منظر دکھایا ہے وہ بھی قریب قریب ویسا ہی ہے جیسا کہ بینظیر اور بدرمنیر کے ملنے کا حال میرحسن نے دکھایا ہے

باغ کی بہار کا عالم۔ اور جان عالم کے جانے کے بعد باغ کی ویرانی تقریباً وہی ہے جو میرحسن کے یہان ہے۔ اور اسی طرح مختلف داستانین (مثلاً بارات وغیرہ) کا حال میرحسن کا کھینچا ہوا نقشہ ہے۔ الغرض یہ ہے فسانہ عجائب کی اصل حقیقت جس نے اُسکو دنیا مین مشہور کردیا ہے۔

"نقاد"

ایک شاعر کا انجام

مصنفۂ نیاز فتحپوری:۔ ایڈیٹر نگار کا سب سے پہلا افسانہ حسن وعشق حسین تخئیل کی بلندی، زور تحریر، اسلوب بیان اور ندرت انشاء کے ایسے ایسے پاکیزہ نمونے موجود ہین جو ساحری کی حد تک پہنچے ہین، جوش محبت کے جذبات جس مستانہ پن سے اس تصنیف مین ظاہر کئے گئے ہین اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ فسانہ جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا ہے قیمت مع محصولڈاک ۱۲ار

منیجر نگار لکھنؤ

مشرقی مآثر

فلکیات وریاضی مین!!

تاریخ عالم کے زرین اوراق اس امر پر شاہد ہین کہ دنیا کی اور قومون کے مقابلہ مین ہمارے اسلاف تجارتی امور مین بہت زیادہ ممتاز تھے، اُنکی تجارت کا سلسلہ تقریباً دنیا کے ہر گوشہ تک پہونچا ہوا تھا میدان تجارت مین روئے زمین پر کوئی انکا حریف مقابل موجود نہ تھا، اس لئے جب اُنکے تجارتی کاروبار کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگیا، تو اونکو اول اول بہ تقاضائے ضرورت تجارتی حساب کے اُصول وقواعد وضع کرنے کا احساس پیدا ہوا چنانچہ انھون نے سب سے پہلے اس فن کے مبادی اور اصول مقرر کئے، پھر رفتہ رفتہ مختلف زمانون مین مختلف ترقیان کین، سندات ودستاویزات، تجاویل مالیہ، شکات، وصولات، حساب فائدہ وغیرہ قسم قسم کے تجارتی حسابات، قیاسات اور اوزان کے نظام کی تعیین، ہندسی طریقون سے آراضی کی پیمائش اعداد لکھنے کی ایک مخصوص نوع کا استنباط گنتی کے ستینی نظام کی ایجاد یہ سب ہمارے اسلاف ہی کے ذہن وعقل، غور وفکر کے زندہ جاوید نتیجے ہین، نظام ستینی کے آثار قدیمہ تک ہمارے بعض نظامات مین شایع ہین، مثلاً ۶۰ منٹ کا ایک گھنٹہ، ۶۰ سکنڈ کا ایک منٹ، ۳۶۰ درجہ کا ایک دائرہ، ۶۰ دقیقہ کا ایک درجہ، ۶۰ ثانیہ کا ایک دقیقہ، اس کے علاوہ اعداد صحیحہ اور بعض کسور بسیطہ کی وضع بھی انھی کی ذہنی طاقت کا خوشگوار ثمرہ ہے

یہ تمام حسابات اور یہ تمام طریقہ ان خشتون مین مدفون پائے گئے ہین جن کا ابھی ابھی مابین النہرین انکشاف کیا گیا ہے - ماہرین حفریات کا بیان ہے کہ ان آثار قدیمہ کی تاریخ ۳۰۰۰ برس ق - م ہے، سنہ ۱۹۲۴ء مین فرانسیسی وفد نے اسی اطراف مین ایک مدرسہ کی بناء کا سراغ لگایا تھا جسکی تاریخ بھی ۳۰۰۰ برس ق م بتائی جاتی ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدامت کے اس زمانہ مین ہمارے اسلاف تعلیم وتعلم کے مہذب طریقے سے بھی واقف تھے

ان خشتون مین غور کرنیکے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہین کہ، مسیح علیہ السلام سے تین ہزار برس قبل ہمارے اسلاف ۱-۱۰ کے مربع اعداد کو اس کے مکعبات، جذر مالی کو اچھی طرح جانتے تھے، اس لئے کہ ان اینٹون مین مربع اعداد و مکعبات، اور ضرب وتقسیم کی مکمل جداول موجود ہین، نسبت وتناسب، ہندسہ کے سلسلۂ متصلہ، اور قوۃ ثانیہ کی طرف کمیۃ ثنائیہ کی ترقی وغیرہ کے اصول ومبادی سے بھی وہ لوگ بخوبی واقف تھے، ہندسہ مین انکی معلومات ومعارف کا دائرہ البتہ محض بعض ہندسی اشکال جیسے مربع، مستطیل، مثلث، اور دائرہ تک محدود تھا - لیکن ان کے معارف ہندسیہ تمامتر سامی تھے، ان کے ہندسی اور میکانکی معارف کے متعلق مسٹر ولیم ولکوکس نے تفصیل سے بحث کی ہے لیکن بخوف طوالت ہم اس تفصیل کو قلم انداز کرتے ہین،

علم الفلک مین ہمارے اسلاف کی معرفت کا سلسلہ اعتدال ربیعی کے زمانہ اور اسکی تعیین تک پہونچتا ہے - اس لئے کہ انھون نے اعتدال

ربیعی ہی سے اپنا سال شروع کیا، اور پہلے مہینہ کا نام ثور رکھا، اس سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگون نے اسوقت یہ تقویم بنائی تھی جب اعتدال ربیعی کے زمانہ مین آفتاب برج ثور کے اندر تھا یعنی اس تقویم کی تاریخ تقریباً ۰۰۰ ۵ برس قبل مسیح ہے) اور انھون نے دائرہ بروج کو بارہ برجون پر تقسیم کیا۔ حرکاتِ سیارات کی تحقیقات کی، مختصر یہ کہ انھین نے سب سے پہلے علم الفلک کے مبادی اور اصول وضع کئے، اس کے نطاقِ معرفت کو وسیع کیا، اوقات و تاریخ، سنین و شہور معلوم کرنے کے لئے جنتری ایجاد کی، معرفت اوقات کے لئے دھوپ گھڑی کا استنباط کیا سال کے فصلون کی تحدید کی، نجوم کو مجامیع اور کوکبات پر تقسیم کیا، ان کے اوضاع اور ان کے اوقات طلوع و غروب کو معلوم کیا، الغرض فن ملاحۃ اور دریائی سفر کی سہولت کیلئے انھون نے اس فن کو غیر معمولی کاوشون سے بہت زیادہ منقح اور مہذب بنایا

ہم کو معلوم ہے کہ مصریون نے سنہ ۴۲۴۱ ق.م مین ایک تقویم بنائی تھی، جسمین سب سے پہلے انھون نے سال کے بارہ مہینے، اور ہر مہینہ کے ۳۰ دن مقرر کئے تھے، اور پورے سال مین رسمی تہوارون کیلئے پانچ دن کا اور اضافہ کر کے ۳۶۵ دن کا سال بنایا تھا۔ یہ تمام ایجادات ان کے نظام اعداد، ضبط حساب، دقت ارصاد، اور رسوخ معارف کی غیر معمولی ترقی پر دلالت کرتی ہین، ہمارے اسلاف نے ہندسۂ بناء، معارف میکانکی مساحت عملی کے اندر جو کچھ ترقیان کین، وہ محتاج بیان نہین ہین، انھون نے دور دراز مسافتون کو طے کرنے کیلئے مستقیم خطوط بنائے، ارتفاع و انحدار کے فرق کی معرفت کیلئے مستوی سطحون کی دقیق طور پر تعیین کی، قدماء کی اس قسم کی سب سے بڑی یادگار ہرم اکبر ہے، موجودہ زمانہ کے ماہرین فن نے اس ہرم کو دیکھا، اور فن کی حیثیت سے دیکھا، تو اسکی جوانب کی تعیین مین زیادہ سے زیادہ ۱½ سنٹیمٹر اور زوایا کی تحدید مین زیادہ سے زیادہ قوس دائرہ کے ۱۲ ثانیہ یا ۱/۲۷۰۰ زاویہ قائمہ کی غلطی نکال سکے،

الغرض مشرق مین جو کچھ ہونے کو تھا وہ ہوا۔ پھر یہ تمام علوم و فنون یونانیون کی طرف منتقل ہوگئے، اور انھون نے ایک راسخ علمی اصول اور منطقی نظریات پر انکی از سر نو ترتیب دی، اور ان مین بہت سے ایسے رجال اعلام اور فلاسفہ کبار پیدا ہوئے جنکی نظیر قدیم یا جدید دنیا مین ملنی دشوار ہی نہین بلکہ قطعاً ناممکن ہے۔ افلاطون، ارسطو طالیس، ارخمیدس، اور اقلیدس جیسی بے نظیر اور باکمال ہستیان سرزمین یونان سے اٹھین جنھون نے بعض اقسام علوم مین کسی مستزید کیلئے کوئی مجال بحث باقی نہ چھوڑی، منطق و فلسفہ کی مملکت کے تو وہ اکیلے فرمان روا تھے، چنانچہ ان فنون مین وہ امام اول شمار کئے جاتے ہین،

عرب اور اسلام کے مآثر

عرب نے صدر اسلام مین جب میدان ترقی کے اندر قدم رکھا۔ تو فتح و ظفر ان کے ہمرکاب تھے جدھر وہ جاتے مظفر و منصور واپس آتے، چنانچہ تھوڑے ہی دنون مین اطراف و جوانب کے تمام ملوک و سلاطین ان کے زیر نگین ہوگئے اور دنیا کے بیشتر حصہ پر ان کا پرچم لہرانے لگا۔ فتوحات ملکی کا سلسلہ جب ختم ہوا۔ اور انکو کامل فراغت نصیب ہوئی تب وہ علوم و معارف کی طرف مائل ہوئے، اور فلکیات و ریاضی اور علوم طبیعی مین بہت سی یونانی کتابون کا ترجمہ لکھا، ہنود و اعجام کی بہتیری تصنیفات کے اقتباسات شایع کئے۔

عباسی خلفاء نے اپنے زمانہ حکومت مین اس علمی حرکت اور فکری نہضت کی ہر ممکن وسائل سے تشجیع کی مختلف مذاہب اور مختلف اجناس کے فاضل علماء کو ترجمہ اور تالیف کی خدمت پر مقرر کیا، حتی کہ تھوڑی ہی مدت مین سنسکرت اور یونانی زبان کے تقریباً تمام علوم کا عربی مین ترجمہ ہوگیا اور عربون نے ہندی رقوم مین جو مناسب اور عمدہ اعداد تھے، انکو مہذب بنا کر اپنے رقوم مین داخل کیا۔ یہی وہ واقعات ہین جنکی وجہ سے

مغربیوں میں عام طور پر یہ خیال پھیل گیا کہ عربوں نے علوم وفنون کو محض ناقلانہ حیثیت سے نقل کیا ہے۔ خود انکی کمائی کا اسمیں کوئی سرمایہ نہیں لیکن مستشرقین کی تازہ بحثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے بہت سے جدید امور کا بھی استنباط کیا جو اس سے قبل بالکل غیر معلوم اور مجہول تھے، اس لئے اس موقعہ پر ہم عربوں کے صرف فلکیات اور ریاضی کے مشہور اور عام مآثر کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں، ناظرین غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ یورپ کے اس زعم باطل میں راستی وصداقت کا عنصر کہاں تک مفقود ہے!!

علم الحساب میں، نظریات اعداد کے اندر عربوں نے بہت کم اضافہ کیا۔ موضوعات کی تبویب، اور ہندی رقوم کی تہذیب میں البتہ انہوں نے بہت کچھ کوشش کی، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اعداد میں صفر کا اضافہ پہلے عربوں ہی نے کیا، اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلے پہل صفر کو موجودہ غایت کے لئے استعمال کیا۔ فرنگیوں نے بھی اس عربی لفظ کو اس معنے میں اپنی زبان کے اندر نقل کیا ہے ـــــــ اس لئے مرجح بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسر عشری کی علامت خاصلہ کو عربوں ہی نے سب سے پہلے وضع کیا تھا،

علم الجبر کے اصول وقوانین بھی عربوں ہی نے وضع کئے، اور قانونی ونظامی صورتوں میں علامات واشارات جبریہ سے کام لیا۔ بعض اعداد کا غیر معروف قوانین وضوابط سے استنباط کیا، علامہ خوارزمی نے سب سے پہلے موجودہ طرز پر معادلہ درجہ ثانیہ کی تحلیل کی، اور اس کے جذر کو مستخرج فرمایا۔ خوارزمی وہ پہلا شخص ہے، جس نے سب سے پہلے اس علم کا نام "علم الجبر والمقابلہ" رکھا، یورپ والوں نے اسی سے اس علم کو نقل کیا ہے۔

عربوں نے سلاسل اعداد یا انکے مجموعات سے بھی بحث کی، جبر وہندسہ کے طریقوں سے بعض معادلات درجہ ثانیہ کی تحلیل پر بھی قادر ہوگئے۔

اور انہی نے معادلات جبریہ کی تحلیل ایک بالکل جدید اور سہل اسلوب پر قائم کی، انہی نے یہ نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا کہ دو مکعب اعداد کا مجموعہ مکعب عدد نہیں ہو سکتا۔ اس نظریہ کو انگریزی میں (Fermat) کہتے ہیں، اور انہی نے سب سے پہلے ہندسہ کے بعض قضایا اور عملیات کی تحلیل میں اسالیب جبریہ سے کام لیا۔ حقیقت میں عربوں کی یہ وہ قیمتی بحثیں ہیں جن پر شہرۂ آفاق ڈیکارٹ نے اپنے مباحث عالیہ کی تعمیر کھڑی کی۔

پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ خود یونانیوں نے ہندسہ کا فن اتنا مکمل کر دیا تھا کہ اسمیں مزید حواشی کا اضافہ کرنے کی مطلق ضرورت نہ تھی اس لئے اس فن میں عرب کے مشاغل کا دائرہ محض وضع تمارین، اور بعض مشکل مسائل کی تحلیل تک محدود رہا

علم المثلثات اور علم الانساب میں عربوں کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اس لئے کہ انہی لوگوں نے سب سے پہلے مثلثات کے اکثر قضایا اور قوانین (مثلاً قانون تناسب جیوب، اور قوانین مثلثات کرویہ غیر قائمۃ الزاویہ وغیرہ) کا اکتشاف کیا۔ اور انہی لوگوں نے سب سے پہلے مثلثات کی اس نوع کی تحلیل کیلئے ایک عام قانون بنایا۔ اور انہی لوگوں نے سب سے پہلے قاطع اور اس کے امثال ونظائر کو معلوم کیا، اور انہی لوگوں نے سب سے پہلے مماس اور قاطع وغیرہ کی نظایر کے لئے جدولیں وضع کیں، اور انہیں لوگوں نے سب سے پہلے سطح کرہ پر اصول رسم کی حقیقت کا پتہ لگایا۔

عربوں کے فلکی مباحث بہت مشہور ہیں، انہوں نے چاند، سورج اور سیارات کی گردشوں کی تحقیقات کی، اونکے اوقات کو ضبط کیا، بطلیموس کے جداول کی تنقیح کی، چاند کی حرکت میں بعض انواع خلل کا اکتشاف کیا۔ اور انہی لوگوں نے خلیفہ مامون کی فرمائش پر سب سے پہلے علمی اور قانونی طریقہ سے خط نصف النہار کے درجہ کا طول معلوم کیا۔ عربوں کی ذہن وعقل، غور وفکر، دانش وبصیرت کی غیر معمولی اہمیت کا اس سے تمکو اور صحیح اندازہ ہو سکیگا کہ تقریباً آٹھ سو برس پہلے جبکہ یورپ کی علمی دنیا پر جہل ونادانی کی کثیف گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، عربوں نے چند جگہ ہیں

آسمانی حالات کا مطالعہ کرنے کیلئے قائم کین اور ان جداول کی تصحیح کی جو حرکات قمر کے ساتھ مخصوص تھین، گردش زمین کا حال معلوم کیا، متعدد تجربات کے بعد انھی نے سب سے پہلے یہ فیصلہ کیا کہ زمین اپنے محور پر گردش کرتی ہے مختصر یہ کہ فلکیات مین عرب یونانیون سے زیادہ ممتاز ہین، اس لئے عربون نے اپنی خداداد لیاقت سے اس علم کو ایک استقرائی علم بنادیا، انھون نے یونانیون کی طرح محض نظریات پر اکتفا نہین کی بلکہ نظریات کے ساتھ ساتھ عقلیات پر بھی کافی عبور حاصل کیا

بہر حال! فلکیات و ریاضی مین مشرق نے سب سے پہلے اپنی خدمات جلیلہ پیش کین، زمانہ قدیم مین اسنے سب سے پہلے ان علوم کے اصول و مبادی وضع کئے، اور پھر عصر متوسطہ مین جو ایک مظلم اور تاریک زمانہ گزرا ہے اس نے محض ان اصول و قواعد کے حفظ ہی پر کفایت نہ کی بلکہ اسمین بہت سے اہم ترین حقایق و معارف کا گران ارز اضافہ بھی کیا

ان تمام معروضات کا نتیجہ دوسرے لفظون مین یہ ہے کہ علوم و فنون کسی خاص جماعت یا فرد کی ملک نہین ہین بلکہ وہ، ہر قوم، ہر جماعت اور ہر فرد کی ایک مشترکہ ملکیت ہین، جو شخص اس کے حصول کے لئے جد و جہد سعی و کوشش کرتا ہے وہ اس دولت کو پاتا ہے - ہمارا موجودہ تمدن معارف علمیہ کا ایک خوشگوار ثمرہ ہے - اور چونکہ یہ معارف مطالب عمران اور مقتضیات حیاۃ پر پورے اترتے ہین، اس لئے اگر ہم غمار عمران مین خوض کرنا چاہتے ہین، تو ہمپر ضروری ہے کہ ہم علمی بحث و تفکیر کے اسالیب پر اپنے ناشئہ جدیدہ کو ضرور سکھین، اس لئے کہ علم ہی درحقیقت ثروۃ کی اصل و اساس ہے، اور امم و شعوب کی ترقی کا اصلی راز، مال اور مال پیدا کرنیوالے رجال ہی مین مضمر ہے،

"بدر اصلاحی"

کلیات و دواوین (اردو)

دیوان میر حسن دہلوی - نہایت درد انگیز کلام ہے ۶/
دیوان مردان صفی - تصوف کا رنگ کوٹ کوٹ بھر دیا گیا ہے - ۵/
کلیات مومن - مع تصاویر و مثنویات .... عصہ
کلیات ظفر - ہر چہار جلد کامل دو جلد .... عا ۱۲/
دیوان ناسخ - استعارات و تشبیہ میں انکا کلام اپنی آپ نظیر ہے ... عہ
کلیات میر تقی میر - تعریف فضول ہے کل شعرائے ماضی و حال کے پیشوا مانے جاتے ہین .... عہ
کلیات سودا - ہجوگوئی کے بادشاہ اور قصیدہ کے استاد ... عہ
کلیات نظیر اکبرآبادی - ہر رنگ مین فرد تھے ...... عصہ

مسٹر رینالڈز کے انگریزی ناولون کے ترجمے

فسانہ الہ دین و لیلی: مشہور ناول سٹار آف منگریلیا کا ترجمہ رنگین داستانون کے ضمن مین بہشت و دوزخ کی سیر کرائی ہے پڑھکر دل دھڑک جاتا ہے - مترجمہ منشی امیر حسین صاحب تحصیلدار کاکوری قیمت .... عہ ۱۲/

فریب حسن - ناول فاسٹ کا اردو ترجمہ جس مین قصہ کے پیرایہ مین بدکردارون کے زبون نتائج دکھائے گئے ہین .... عہ ۱۲/

ناول اسرار نیکر و منیسر کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ جسمین عصمت و حسین زمانہ لیڈیون کے دلی جذبات کا خاکہ زمانہ کی حیرت انگیز نیرنگیون اور انقلاب کی حیرت انگیز تصویر .... عام

(مینیجر نگار)

ایک سیّاح کی ڈائری

پہلا ورق

"لکھنؤ و لکھنویات"

سوچ سمجھ کر کام کرنے کا مفہوم ہم لوگوں میں عام طور پر یہی ہے کہ کبھی کوئی کام نہ کیا جائے۔ برخلاف اس کے مجھ پر یہ الزام قائم کیا جاتا ہے کہ پہلے کام شروع کر دیتا ہوں اور پھر سوچتا ہوں کہ:-

نہ ہو تو کیجئے کیا اور ہو تو کیونکر ہو!

اس زندگی میں سب سے پہلی آزادی تو مجھے اسوقت ملی جب میری بیوی نے انتقال کیا۔ صبح کو وہ رخصت ہوئیں، شام کو تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر سیدھا کلکتہ چلا گیا، اس لئے نہیں کہ انکی جدائی کا غم دور ہو جائے بلکہ اس حقیقت کی بنا پر کہ جب آدمی کے بیوی نہ ہو تو سوائے آوارہ پھرنے کے وہ اور کر ہی کیا سکتا ہے۔ دوسری آزادی مجھے ایک سال کے بعد ملی جب میری دوسری شادی ہوئی ــــ یہ پہلے ہی طے ہو گیا تھا کہ بعد عقد "وہ" ایام گرما بسر کرنے کو مری چلی جائینگی ــــ اور میرے لئے قلب کی ایک خاص بیماری کی وجہ سے تمام پہاڑ "لن ترانی" ہو کر رہ گئے تھے ــــ اسلئے میں نے شمال کا رخ کیا اور سب سے پہلی روانہ ہونے والی گاڑی پر سوار ہو گیا۔ کامل ۱۹ گھنٹہ کے بعد صبح کو جو دفعۃً آنکھ کھلی تو کانپور کا اسٹیشن نظر آیا۔ میں یہاں اتر پڑا منزل مقصود سمجھکر نہیں، بلکہ محض اس خیال سے جسے "دفع دخل" کہتے ہیں۔ دن بھر کانپور کی خاک چھاننے کے بعد جب شام کو اسٹیشن پہونچا تو لکھنؤ جانے والی ریل تیار تھی اور مسافروں کے ہجوم سے تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، معلوم ہوا کہ آج محرم کی ۸ ہے اور یہ سب لوگ وہاں روشنی دیکھنے جا رہے ہیں۔ میں شمسی تاریخوں سے بھی بے خبر رہتا ہوں چہ جائیکہ قمری، اسوقت یہاں "محرم" اور "لکھنؤ" یہ دو نام سنکر بے اختیارانہ طور پر ایک درجہ میں داخل ہو گیا اور شام کو ۷ بجے اس سرزمین میں پہونچ گیا جو اپنی روایات کے لحاظ سے بجا طور پر "کربلائے ہند" کہلائی جا سکتی ہے۔

"یا حسین! واحسینا!!"

قبل اس سے کہ میں قیام لکھنؤ کے حالات قلمبند کروں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ میرے لئے یہاں کی زیارت کا یہ پہلا موقعہ تھا اور میں نے جو خیالی تصویر یہاں کی اپنے دماغ میں کھینچ رکھی تھی اس کا تعلق یکسر "حسن و غنا" سے تھا۔ یعنی میں سمجھتا تھا کہ لکھنؤ کا ذرہ ذرہ معمورۂ جمال و موسیقی ہے اور رات کی تاریکی میں یہاں بھی وہی نیرنگ حسن و عشق نظر آتا ہے جو کسی وقت عہد عباسیہ میں بغداد کے لئے مخصوص تھا۔ یہاں کی نزاکت جسم و خیال کے واقعات، یہاں کی اگلی تہذیب معاشرت کی حکایات، میں نہیں کہہ سکتا کہ کب سے اور کیوں میرے دماغ میں گونج

رہے ہیں تھے، لیکن یہ بالکل یقینی ہے کہ وہ اسقدر کمسن سال ہیں کہ اگر انکی ابتدا افسانہ آزاد ہی کے زمانہ تصنیف سے قرار دوں جب میں بہت کمسن تھا تو بیجا نہ ہوگا۔ ممکن ہے آج کوئی نقاد سرشار کے متعلق یہ حکم لگائے کہ اس نے اپنی تصانیف میں جو توہین لکھنؤ کے بلند معیار شرافت و الونگی کی ہے وہ غداری کی حد تک پہونچتی ہے، لیکن اس کا کیا علاج کہ عنفوان شباب کی دیکھی ہوئی "حسن آرا" سے حریم ناز میں نہ سہی تو "تختۂ باند" پر ملنے کی خواہش ضرور دل میں پیدا ہوتی ہے

مجھے بالطبع موسیقی سے لگاؤ ہے، اور جانعالم نے ٹھمری کی ایجاد سے محمد شاہ رنگیلے کے خیال کو جسقدر رنگین بنادیا اسکا بھی معترف ہوں ہرچند اصول فن کے لحاظ سے لکھنؤ کو کسی نایک کے پیدا کرنیکا شرف حاصل نہیں ہوا، لیکن جو بانکپن یا لکھنؤ کی زبان میں چوچلا (صرف آواز کے اتار چڑھاؤ اور "مینڈ مسک" سے انہوں نے پیدا کیا وہ کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ لکھنؤ کا گانا لکھنؤ سے باہر میں نے بارہا سنا، لیکن یہ تمنا ہمیشہ قائم رہی کہ وہیں کی فضا کی اگر کوئی خنک سی چاندنی رات اس کے لئے میسر آجائے تو کیا کہنا۔ اس لئے جس وقت میں لکھنؤ کے اسٹیشن پر پہونچا تو میرا خیالی لکھنؤ میرے دل و دماغ میں کاور و خارم کی طرح بسا ہوا تھا اور ہرچند یہ معلوم کر کے کہ یہاں آج کل محرم ہے تھوڑی سی کلفت ہوئی، مگر پھر اس خیال سے کہ یہاں کا یہ زمانہ بھی خاص چیز ہے میں نے اپنے دورۂ سیاحت کی تمام سرتیں جاری کر کے قیام کا ارادہ کر ہی لیا

میں جس حصہ ملک کا رہنے والا ہوں، وہاں محرم کا وجود کوئی معنے نہیں رکھتا، نہ وہاں مجالس مرثیہ کا قیام ہوتا ہے، نہ بزم عزا آراستہ کیجاتی ہے بلکہ کہیں کہیں گھروں میں "ذکر الشہادتین" کی قسم کی کتابیں پڑھکر "یادگار شہدائے کربلا" صرف دلمیں قائم کیجاتی ہے۔ اسلئے میرے لئے لکھنؤ کی شام کا یہ منظر کہ ہر شوق نہایت شوق و مسرت کے عالم میں پوری سج دھج کے ساتھ شاہ نجف چلا جا رہا ہے اور وہاں ہزاروں رنگین برقی قمقموں کی روشنی میں اس طرح پرتکلف دعوتیں اڑ رہی ہیں جیسے واجد علیشاہ کی سالگرہ منائی جارہی ہو، بالکل ناقابل فہم معمہ تھا۔ شاہ نجف سے لیکر حسین آباد تک تماشائیوں کا ہجوم اور امامباڑہ کا دلہن کیطرح سجا ہوا ہونا لبریز حوض میں فواروں کا جاری ہونا اور انکا روشنی کے عکس سے قوس قزح کی سی کیفیت پیدا کرنا ایک ایسا منظر تھا جس کو دیکھکر ایک شخص بے ساختہ کہہ سکتا ہے کہ

ایں خانہ بدیں خوبی آتشکدہ بایستے

لکھنؤ کے محرم کے لئے یہ میرا پہلا جذبۂ شکر گذاری تھا کہ میں یہاں کی افراط مسرت میں گھر اور نئی بیوی کی جدائی کو بھی تھوڑی دیر کیلئے بھول گیا

۹ محرم کا سارا دن میں نے مجالس عزا میں شریک ہو کر بسر کیا۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ سوز خوانی کا رواج یہاں سے تقریباً اٹھ گیا ہے یعنی تنہا وہ چیز جو ایک صاحب ذوق کو ان محافل کی شرکت پر مجبور کر سکتی ہے وہی مفقود ہو گئی ہے۔ موجودہ مجالس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن میں صرف مرثیے تحت اللفظ پڑھے جاتے ہیں اور دوسری وہ جنہیں "حدیث خوانی" ہوتی ہے، اول قسم کی محافل کا مقصود زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ مرثیہ گو اپنی شاعری، اپنی مرثیہ گوئی اور اپنی حرکات رقصیہ کی داد لے اور دوسری قسم کی مجلس صرف فن خطابت کی تکمیل کی نمائش ہوتی ہے، لیکن میرے نزدیک دونوں ناکمل ہیں۔ اول الذکر میں شاعری کا جہانتک تعلق ہے وہ ہرچند لکھنوی ذوق کے لحاظ سے بالکل کمل چیز ہوتی ہے لیکن صحت روایات اور جذبات حماست کے اعتبار سے سارا مرثیہ "غیر معصوم لٹریچر" کی حیثیت رکھتا ہے اور شہادت حسین جس انداز سے اظہار الم کیا جاتا ہے وہ "اہل بیت" سے تو کسی طرح منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ جانعالم کے مٹیابرج جاتے وقت ان کے پسماندگان نے اس طرح کا شور و شیون کیا ہو۔ رہا پڑھنے کا انداز

سو ممکن ہے کہ وہ کالکادین، بندادین کے نقطۂ نظر سے کوئی خاص فن کی چیز ہو، لیکن میں نے تو بجائے حرکاتِ شجاعت و تہور کے اک قسم کی "نسائیت" ہی ان میں پائی۔

مجالس حدیث خوانی میں کوئی مجتہد یا مولانا "جسے یہاں کی اصطلاح میں "قبلہ و کعبہ" کہتے ہیں، منبر پہ جاکر سب سے پہلے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھواتے ہیں، پھر کلام مجید کی کوئی آیت پڑھکر اس کے رموز و نکات بیان کئے جاتے ہیں، احادیث کی تلاوت کرکے انکا مفہوم بتایا جاتا ہے اور آخیر میں تمام وعظ کو کھینچ تان کر فضیلتِ حسینؑ و شہادتِ حسینؑ سے متعلق کرکے زور زور سے رانوں پر ہاتھ مار کر چیختے ہیں، روتے ہیں اور سننے والے بھی آنکھوں پر رومال رکھ کر روتے وقت اس طرح بدن کو جنبش دیتے ہیں جیسے کوئی انہیں گدگدا رہا ہے

یہاں کے ایک خاص واعظ کا بیان بھی میں نے سنا اور انکی تاویلات بیجا، انکے دلایل رکیکہ، انکی توجیہات سخیفہ، انکے وساوس ردائی اور تحریفات تاریخی کو سنکر حیران رہگیا کہ اہل علم میں یہ بھی ہوا کرتا ہے

دریافت سے معلوم ہوا کہ تقریبًا پورا سال یہاں اسی نوع کی مجالس ماتم و گریہ و زاری میں بسر ہوتا ہے، حتیٰ کہ مصیبت دور کرنے اور خوشی طلب کرنے کا بھی یہی ایک طریق ہے۔ نسائی طبقہ میں جو "شبستان ماتم" قایم کی جاتی ہے وہ بیشک ایک لطیف پہلو بھی رکھتی ہے، کیونکہ اول تو یونہی کسی عورت کا "متخیل ماتم" بنجائے خود قیامت نہیں ہے، چہ جائیکہ ایک خاص سوگوار لحن سے اشعار پڑھنا اور پھر ساری محفل کا نازک ہاتھوں سے نازک سینوں پر "خانہ برانداز" قسم کی ضربیں لگاتے لگاتے تھک کر ایک "آغوش طلب" انداز سے گر جانا ـــــ حقیقت یہ ہے کہ ایک انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسی صورت میں "شہادت" کو زیادہ وزنی قرار دے یا اس "خوں بہا" کو

دس کی صبح کو چوک سے ضریح مبارک (میرے نزدیک سکار دو ترجمہ زری کافی ہے) کا جلوس نکلنے والا تھا۔ صحیح وقت معلوم نہ تھا اسلئے فرطِ اضطراب نے بیٹھنے نہ دیا اور جلدی وہاں پہونچ گیا۔ لکھنؤ کا چوک اپنی تنگی، مرطوب فضا اور غیر صالح ماحول کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی معیوب حصہ شہر کیوں نہ ہو، لیکن حقیقی لکھنؤ اسی حصۂ آبادی کا نام ہے اور قدیم لکھنوی معاشرت کے نمونے صرف یہیں دیکھے جا سکتے ہیں، باوجود سڑک کی تنگی و تاریکی کے یہاں ایک خاص قسم کی عطریت محسوس ہوتی ہے اور نبض میں اک عجیب قسم کا ہیجان پیدا ہو جاتا ہے

یہاں کے اکثر بالاخانے اس مخصوص طبقہ سے آباد ہیں کہ اگر اس عنصر کو انسانی آبادی سے علٰحدہ کر دیا جائے تو دنیا میں سوائے مسجدوں کے اور کچھ نہ رہ جائے۔ معلوم نہیں اڈیٹر نگار اسے "حسن درگذر" میں شامل کرتا ہے یا نہیں لیکن چونکہ میں وجوب کا قایل ہوں اس لئے اکبر کے اس فلسفہ پر کاربند ہو کر کہ

اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

بلا تشبیہ ارنی گوئے کوہ طور کی طرح نگاہ شوق سے ان پردوں میں رخنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوا جو اسوقت بالاخانے پر پڑے تھے آگے بڑھا اور ایک ایسے مقام پر پہونچ گیا جہاں سے ایک سڑک مغرب کی جانب جاتی ہے۔

میں تھک کر یا ہجوم سے گھبرا کر سڑک کے کنارے کھڑا ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد جو دفعتہً آنکھ اٹھی تو دیکھتا کیا ہوں کہ غالب کی پوری مثنوی "چراغ دیر" مجسم سامنے موجود ہے

سامنے بالاخانے پر ایک تنی ہوئی سفید چادر کی اوٹ سے دو ساحر مگر حزین و سوگوار آنکھوں نے مجھے ایک بار غلط انداز نہ طور پر دیکھا اور میرا آسمان، و زمین سب کچھ اپنے ساتھ لے گئیں۔ لکھنو کا یہ پہلا اور آخری بدیعۂ جمال تھا جسنے میرے ساتھ وہی سلوک کیا جو نظیری کے ساتھ اسکے محبوب نے کیا تھا اور جس پر وہ بے اختیار ہو کر کہہ اٹھا تھا کہ:۔

از کف نمی دہد دل آساں ربودہ را

دیدیم زور بازوے ناآزمودہ را

معلوم ہوا کہ باندازۂ جمال و نزاکت وہ غنا و موسیقی کی بھی مالک ہے اور آنکھوں سے زیادہ افسوں اس کی آواز میں ہے۔ اس خبر نے میرے حواس میں اور زیادہ تعطل کی سی کیفیت پیدا کر دی، اور میں کھڑا ہوا اس عالم اضطرار میں سوچ رہا تھا کہ کوئی اہل ملے تو لکھنوی شاعری کے انداز میں اسی سے یہ تو پوچھ لوں کہ میرے دل کا مزار کس کی سایۂ دیوار میں بن رہا ہے کہ اتفاق سے ایک ضعیف عورت جس کے ہاتھ میں چھوٹی سی تسبیح بھی تھی، میرے پاس سے گذری اور میری "چشم نگراں" کو دیکھ کر بولی کہ "میاں آج کے دن تو اوپر نہ دیکھو" میں نے بادب عرض کیا کہ "بڑی بی اُن سے بھی تو کہو کہ آج کے دن نیچے نہ دیکھیں"، اسنے غضب آلود چتون سے مجھے دیکھنا شروع کیا، لیکن زری کے ساتھ جو ہجوم بڑھتا آرہا تھا اس نے مجھے بچا لیا اور پھر خبر نہیں کہ وہ کہاں غائب ہو گئی

زری کا جلوس کیا تھا؟ اس کا بیان اتنا ہی مہمل ہو گا جتنا اس کا اطناب، چند ہاتھی، چند اونٹ، کچھ جھنڈیاں، متعدد بینڈ، دو چار تعزئے اور ایک گھوڑا مع خون آلود ساز و یراق کے۔ یہ تھی زری اور اسکی جملہ کائنات۔ میں ان چیزوں کے فلسفہ سے واقف نہیں جس کو ضرورت ہو وہ ہی تاریخ کا ہمدم دیکھے جس میں جناب قمی جرنلسٹ نے نارہ سے لیکر نگاڑہ (نقارہ) تک ہر ایک بابت جلد درجہ بالغ نظری سے کام لے کر تحقیق حد کے دریا بہا دیئے ہیں

یہاں صبح سے دوپہر تک شیعوں کے تعزئے نکلتے ہیں اور دوپہر کے بعد سے سنّیوں کے۔ چونکہ دل و دماغ اک خاص خیال سے متاثر تھا اس لئے زری دیکھنے کے بعد میں نے آج کے تماشہ کو ختم کیا اور کربلا بھی نہ جا سکا، حالانکہ یہاں کا خونین ماتم، یہاں کی واویلا دیکھنے کی چیز ہے۔

اس کے بعد میں نے چند دن یہاں کے اکابر سے ملنے اور یہاں کے مجالس شعر و سخن کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اور قیام کیا۔ میں کس کس سے ملا، ان کو کیسا پایا اور انکی شاعری کے متعلق کیا رائے قایم کی۔ اسکی تفصیل آپ آیندہ ملاحظہ فرمائیں گے

ایک سیّاح

ہمیشہ یاد رکھئے

(۱) خط و کتابت میں نمبر خریداری درج کرنا (۲) جوابی امور کیلئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا (۳) ۱۰ تک پرچہ نہ پہونچے کی اطلاع کرنا (۴) منی آرڈر کے کوپن میں نمبر خریداری درج کرنا۔ (منیجر نگار لکھنؤ)

منطوقات ناطق

یا

جناب ابو العلاء ناطق لکھنوی کے الہامات شعری

بلکہ

ناطقہ سر بگریبان ہے اسے کیا کہئے

دو آپ نے اگست کے ملاحظات مین لکھنوی و غیر لکھنوی نزاع کو محو کرنے کے لئے جو مصلحانہ انداز اختیار کیا ہے وہ آپ کی نیت کے لحاظ سے یقیناً بہت مبارک چیز ہے، لیکن میری سمجھ مین نہین آتا کہ اس طرح آپ اُس احساس کو کیونکر مٹا سکین گے جو اس وقت ساری دنیا مین لکھنو کی شاعری کے بے کیف و بے مزہ ہونے کے متعلق قائم ہو گیا ہے اور یہی احساس اصل بنیاد تمام جھگڑون کی ہے

آپ نے جو اشعار بعض شعراء حال لکھنؤ کے درج کئے ہین، وہ یقیناً بُرے نہین ہین لیکن تعجب ہے کہ آپ نے مبصر مین دوسرون کے شایع شدہ اشعار تو انتخاب کر لئے اور خود مدیر مبصر کی غزل کو چھوڑ دیا مین نے ان کی ایک نہایت ہی معرکۃ الآرا غزل پر ہلکی سی تنقید کی ہے جو پیش کرتا ہون۔ اگر آپ کی مصلحانہ روش اجازت دے تو شایع فرما کر ممنون کیجئے، اس سے مقصود صرف یہ سوال ہے کہ کیا لکھنوی شعراء کوئی ایسی ہی درخشان مثال "حسنِ شاعری" کی غیر لکھنوی شاعرون مین پیش کر سکتے ہین؟۔ اگر نہین تو پھر اُس فرق مراتب کو مٹانے والے آپ کون ہین جسے خود خدا نے تخلیق ذہن و دماغ کے وقت ازل ہی مین پیدا کر دیا تھا۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اسباب اختلاف مین سے اک نہایت ہی ضعیف سبب کو سامنے رکھ کر پند و نصیحت شروع کر دی حالانکہ حضرات لکھنؤ کا غیر لکھنؤ لوگون سے عناد رکھنا اس بنا پر نہین ہے کہ ہم کیون اُن سے اچھا شعر کہتے ہین بلکہ زیادہ تر اس لئے ہے کہ ہم کیون آپ آپ کو "مومن" کہتے ہین پھر جب ہم ان کی نگاہ مین مومن ہی نہین تو آپ کا "کل مومن اخوۃ" کا درس دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ بہر حال مین اب تنقید پیش کرتا ہون"

ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے کہ دنیا مین شاعر ہونا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے زیادہ کوئی گناہ ممکن نہین لیکن ان کا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہ ہوا کہ ایک گناہ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص باوجود شاعر نہ ہونے اپنے آپ کو شاعر سمجھے اور بہ جبر اپنے آپکو

شاعر تسلیم کرائے۔

پھر اس جُرم کی جیرت‌ناکی اسی جگہ ختم نہین ہو جاتی، بلکہ اس سے آگے اور بڑھتی ہے یعنی یہ کہ ایسا شاعر کبھی کبھی اپنے آپ کو استاد بھی کہتا ہے شاگردون کی ایک جماعت بھی پیدا کر لیتا ہے اپنی تخریب کو اصلاح، اور فساد کو گون کے نام سے موسوم کرکے مشاعرون مین "باندازِ مُغانہ" غزلین پڑھتا ہے، اور رسایل مین "بہ شیوۂ حکیمانہ" اُن کی اشاعت بھی چاہتا ہے ——— شیوہ و انداز اینان را نگر!!

ممکن ہے کہ کسی وقت کوئی اللہ کا بندہ تمام ایسے متشاعرین کے حالات مرتب کرے، اس لئے مین یہ مضمون ابھی سے بطور بنیاد دتقریباً بر مقدمہ و تمہید تحریر کئے دیتا ہون اور اُس سے بزور سفارش کرتا ہون کہ جب کبھی وہ اس مفید تالیف کی طرف توجہ کرے تو جناب ابوالعلاء الناطق لکھنوی کو نہ بھول جائے کیونکہ میرے نزدیک جو مرتبہ میر کو شعراء مین حاصل ہے، وہی جناب ناطق کو غیر شاعر شاعرون کی جماعت مین حاصل ہے بلکہ اگر جناب ناطق اجازت دین تو انھین کے اسمِ گرامی و تخلص سامی سے اس کو معنون کر دے

بحمداللہ مجھے جناب ناطق اور ہر ایسے شخص سے جو اپنے آپ کو شاعر کہتا ہے براہ راست ذاتی شناسائی نہین ہے، لیکن چونکہ رسایل و جرائد کے مطالعہ کا مجھے مرض ہے اور اس سلسلہ مین رطب و یابس سبھی کچھ نگاہ سے گزر جاتا ہے اس لئے بغیر کسی سعی و کاوش کے مجھے معلوم ہے کہ جناب ناطق لکھنؤ کے ایک رسالہ "مبصر" کے مدیر اعزازی ہین اور گاہے گاہے اپنے برکاتِ شاعری دوسرے رسالون کو بھی تقسیم فرما دیتے ہین۔ چنانچہ حال ہی مین لکھنؤ کا ایک دوسرا رسالہ "خضرِ راہ" ناطق صاحب کے عطا کردہ "جرعۂ آبِ حیات" کو لیکر موصول ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جناب ناطق کے "منطوقات" کی داد دینا اس دنیا کے اندر تو کسی سے ممکن نہین، عالمِ برزخ مین اس کا امکان ہو تو ہو

غزل مین تغزل سے ایسی صاف بیزاری، کیفیتِ عشق و محبت سے ایسا مکمل گریز، حلاوت و شیرینی سے ایسا سخت تنبرّا اور باوجود بامعنی الفاظ فراہم کرنے کے ہر ہر شعر کو صد گونہ اہمال کی صورت مین پیش کرنا۔ واقعہ یہ ہے کہ

"این سعادت بزور بازو نیست"

لوگ کہتے ہین غزل نام ہے صرف حکایتِ محبت کا، جذباتِ عشق کی صحیح ترجمانی کا، سادگیِ بیان کا بیساختگی کا اور ہر اُس کیفیت کے بیان کا جو مطالعۂ حسن سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ اس وقت کا "شاعرِ اعظم"، "استاذ الامم"، "ادامہ اللہ بالشعر والطب والحکم" اس امر کا اعلان کر رہا ہے کہ غزل نام ہے صرف حکایتِ تنفر کا، جذباتِ کراہت کے ترجمانی کا، ژولیدگیِ بیان کا اور ہر اس کیفیتِ امتلاء کا جو ایک مکروہ شے کے مطالعہ سے پیدا ہوتی یا ہو سکتی ہے

جناب ناطق کی حسب غزل کو دیکھ کر مین اس نتیجہ پر پہونچا ہون وہ اُن کی نہایت ہی معرکۃ الآرا فکر ہے اور کہا جاتا ہے کہ جس وقت الہ آباد کے مشاعرہ مین اس کو پڑھا گیا تو ساری محفل ایک خاموش اضطراب مین مبتلا تھی ممکن ہے کہ جناب ناطق کے بدخواہ اس کو "داد نہ ملنے" سے تعبیر کرین، لیکن ممکن ہے یہ سب کچھ اس "جلوۂ جانانہ" اور "نطقِ سحرکارانہ" کا نتیجہ رہا ہو جو بعض اوقات "مثل معدہ" کے بعد عالمِ خواب مین ایک خاموش کابوسانہ تشنج بھی پیدا کر سکتا ہے۔

اسقدر تمہید کے بعد یقیناً آپ بے چین ہونگے کہ اس غزل کو سنیں لیکن میں دفعتہً ساری غزل آپ کے سامنے پیش نہیں کرونگا بلکہ ایک ایک شعر سناؤنگا کیونکہ ممکن ہے آپ اس کو دیکھ لینے کے بعد میری تنقید پڑھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کریں اور اس طرح میری محنت اکارت جائے۔ مطلع ملاحظہ ہو۔

قطرے نہیں حباب میں دل ہیں نقاب راز میں چند حقیقت آشنا غرق ہوئے مجاز میں

اس شعر کے سننے کے بعد میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ میں کیا کیفیت پیدا ہوئی، لیکن مجھ پر جو عالم طاری ہوا وہ ضرور مجھے معلوم ہے، یعنی یہ کہ اتنے خوبصورت الفاظ اس سے زیادہ بے معنی طور پر آج تک کوئی مجتمع نہیں کر سکا، قطرہ، حباب، نقاب، حقیقت، مجاز، علیحدہ علیحدہ کیسے صاف و پاکیزہ الفاظ ہیں، لیکن شاعر کے کمال کو دیکھئے کہ "بیک گردش قلم"، "نادر و نادری" دونوں کا صفایا کر دیا۔ اچھا اب آیئے "بطن شاعر" کو بھی دیکھ لیں شاید کوئی مفہوم وہاں سے دستیاب ہو سکے۔ فرماتے ہیں

حباب کو حباب نہ جانو بلکہ وہ مجموعہ ہے قطروں کا

پہلی تشبیہ نقاب راز میں چھپے رہنے والے "دلہا" سے دی ہے اور دوسری مجاز میں غرق ہو جانے والے "حقیقت آشناؤں" سے ایک شخص اس کے سننے کے بعد کہہ سکتا ہے کہ اس شعر میں تغزل کی کیا بات ہے، کونسی کیفیت، یا سرشاری محبت اس سے ظاہر ہوتی ہے، لیکن یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ اس شعر میں حکیم صاحب نے صرف حباب کی حقیقت سے بحث کی ہے جس کا تعلق طبیعیات سے ہے نہ کہ عشقیات سے اور اس میں کلام نہیں کہ حباب کی کنہ و حقیقت دریافت کرنے میں ضرور انھوں نے عالمانہ تفتیش سے کام لیا ہے، کیونکہ دنیا اس وقت تک یہی جانتی تھی کہ حباب تو نیم قطرہ سے بھی کم صرف اک "کیفیت نم" کا نام ہے مگر حکیم صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ اس آتشی شیشہ میں بہت سے قطروں کا عرق کشید کیا جا رہا ہے حیرت و افسوس ہے کہ اس فاضلانہ اکتشاف پر ۱۹۲۹ء کا نوبل پرائز متعلق بہ طبیعیات حکیم صاحب کو نہیں ملا

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اب اس شعر کی دوسری معنوی خوبی ملاحظہ ہو

دعوی یہ ہے کہ حباب میں قطرے نہیں ہیں۔ پھر کیا ہے؟ خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ نقاب راز میں چھپے ہوئے دل ہیں یا یوں سمجھ لو کہ مجاز میں غرق ہو جانے والے چند حقیقت آشنا ہیں۔ اس جواب کا ثبوت طلب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب بہ ثبت حقیقت آشنا نقاب راز میں چھپنے کے باوجود بھی مجاز میں غرق ہونے والے پائے جاتے ہیں تو اصول طبعیات سے یہ دعوی اقلیدس کے بدیہیات میں داخل ہو کر ویسی ہی تلخ حقیقت بنجاتا ہے، جیسے ریاح بواسیری کے تکاثف سے امعاء مستقیم کا تشنج یا صداع صدغین۔ دوسرا شعر ملاحظہ ہو:۔

ایک بھی ہم سبق نہیں مدرسہ نیاز میں زخم ہیں سب کے مختلف شرح نگاہ ناز میں

آپ جی میں کہتے ہونگے کہ ایسے مطلع کے بعد کیا کوئی شعر اس پایہ کا نکل سکے گا، لیکن آپ کو خبر نہیں کہ حکیم صاحب کا دماغ ایک انوکھا عجوبہ نار ہے کہ اگر بمدۃ العمر وہ شب و روز سوائے غزلگوئی کے اور کچھ نہ کریں تو بھی ان کے "بہ جواہر ریزیاں" کم نہ ہوں

چنانچہ یہ دوسرا شعر ملاحظہ ہو، کیا مطلع سے کم درجہ رکھتا ہے۔ وہی حکیمانہ تیور، وہی مرشدانہ نکات اور وہی فلسفیانہ بے کیفی

چندے آفتاب چندے ماہتاب، ایک کو چھپایئے دوسرے کو نکالئے۔ کیا ممکن ہے کہ سامع کی توجہ کسی اور طرف ہٹ جائے۔ فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ مطلع مین حکیم صاحب نے طبیات کے ایک معمہ کو حل کیا تھا اور اس مین ایک وسیع المطالعہ انسان ہونے کی حیثیت سے انھون نے ایک نئی کتاب کے وجود کی خبر دی ہے جس کا نام "نگاہ ناز" ہے مگر اس کتاب کے موضوع پر حکیم صاحب نے کوئی بحث نہین کی ہے بلکہ صرف اس کے دقیق و دشوار ہونے کا حال اس طرح بیان کر دیا ہے کہ اس کی شرح و تفسیر سے جو مدرسۂ نیاز مین پڑھائی جاتی ہے ہر طالب علم اک نیا اثر زخم کی صورت مین حاصل کرتا ہے یعنی اگر کسی کا زخم مستطیل ہوتا ہے تو دوسرے کا مربع، کسی کا دایرہ دار ہوتا ہے تو کسی کا مثلث اور اگر یہ کہا جائے کہ "اختلاف زخم" "اختلاف کیفیت" کے مفہوم مین مستعمل ہوا ہے تو پھر اس کا تصنع یقیناً تنقید سے بے نیاز ہے

تیسرا شعر:-

پردہ کی رسم و راہ ہے اپنے نیاز مند سے
ورنہ حجاب کو کہان دخل حریم ناز مین

اس شعر مین بھی ایک جدید انکشاف ہے اور وہ یہ کہ پردہ حریم ناز مین نہین ہوتا بلکہ "حسن لب بام" کے لئے مخصوص ہے۔ اگر حریم کے لغوی معنی پوشیدہ یا پس پردہ کے ہین تو ہوا کرے، ناطق صاحب کی اصطلاح مین حریم نام ہے "اس مینا بازار" کا جس مین داخل ہونے کی شرط اولین پردہ و حجاب کا اٹھا دینا ہے۔ مفہوم اور تغزل کے لحاظ سے جو مرتبہ اس شعر کا ہے، اس کے اظہار کی ضرورت نہین

چوتھا شعر:-

حلقۂ زلف کی گرہ کھل ہی گئی اگر تو کیا
قید ہے میری منسلک سلسلۂ دراز مین

یعنی لوگ سمجھتے تھے کہ حکیم صاحب اس کے حلقۂ زلف مین محبوس نہین! ورا سکے گرہ کھلنے کے بعد وہان سے نکل بھاگین گے۔ اس خدشہ کو انھون نے رفع کیا ہے کہ ایسا نہین ہو سکتا کیونکہ ان کی قید سلسلۂ دراز سے متعلق ہے۔ رہا یہ امر کہ وہ سلسلۂ دراز کس چیز کا ہے، سو اس کی صراحت اس لئے نہین کی گئی کہ شعر صاف ہو جاتا اور اس صنعت سے نکل جاتا جو اس غزل مین ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ منسلک کے بعد لفظ "مین" کا استعمال بھی قابل غور ہے۔ ممکن ہے فصحائے لکھنؤ یونہی بولتے ہون۔

پانچوان شعر

شکل حقیقت اب کسے ہو اور کسی کے دل پہ نقش
صورت مستقل نہین آئینۂ مجاز مین

یہ شعر حکیم صاحب کا اس غزل کی جان ہے، اور مخصوص طور پر اس دعوی کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ ساری دنیا کے علماء تاویل جمع ہو جائین تو بھی اس کے معنی پیدا نہین کر سکتے۔ اگر آئینۂ مجاز مین کوئی صورت مستقل طور پر مرتسم نہین ہو سکتی تو شکل حقیقت حکیم صاحب کے دل کے بجائے کسی اور کے دل پر کیون نقش ہو۔ وہ کیون اس سے خایف ہین کیا انکا دل صرف آئینۂ مجاز ہے جس مین شکل حقیقت مستقلاً قائم نہین ہوتی۔ غالباً یہ کوئی خاص لاہوتی یا ناسوتی معمہ ہے جسکو ہم ہی نہین سمجھ سکے، حکیم صاحب غریب کیا سمجھین گے

چھٹا شعر

مسئلۂ دید حل ہو سر ورکائنات سے
وہ جو لگی تھی طور پر آکے کبھی حجاز مین

مسلک کا حل ہونا بالکل نئی بات ہے۔ معمہ حل ہوتا ہے، دواؤن مین موتی حل ہوتا ہے، مشک و عنبر حل ہوتا ہے، لیکن، مسلک شاید علم العقاید کی کوئی نئی دریافت ہے کہ اس سے قبل کسی کو اس کا حل ہونا معلوم نہین ہوسکا تھا اگر حل ہونا حکیم صاحب نے واضح ہونے کے معنی مین لکھا ہے تو یہ اور ایک معمہ ہے جسے صرف جناب ناطق ہی کے گرہ کشا ناخن حل کر سکتے ہین

ایک اور شعر ملاحظہ ہو

سجدہ مین سر اگر گیا پھر نہ اٹھیگا تا ابد قید نہ رکھئے وقت کی میرے لئے نماز مین

اس شعر مین محض یہ خصوصیت قابل داد ہے کہ حکیم صاحب ابھی تک اپنے سجدہ یا نماز سے متعلق صرف گفت و شنود مین مصروف ہین اور معاملہ ابھی تک طے نہین ہوا۔ اصل جھگڑا یون شروع ہوا کہ حکیم صاحب نے (شاید نا وقت) کہا کہ مین سجدہ کرنا چاہتا ہون، جواب ملا کہ یہ بیوقت کی شہنائی کیسی۔ جو اوقات مقرر ہین ان مین سب کے ساتھ تم بھی سجدہ کر لیا کرو، اسپر حکیم صاحب نے فرمایا کہ مین اگر سجدہ کرنے پر آگیا تو حشر تک سجدہ ہی کرتا چلا جاؤنگا اور حشر تک سر نہ اٹھاؤنگا اسلئے میرے لئے وقت کی تعیین نہ کیجئے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا، شعر سے ظاہر نہین ہوتا، لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ انھین اجازت اس کی نہین ملی، ورنہ ظاہر ہے کہ انھین مبصر کے ادارت کی فرصت کہان ملتی اور بجائے سر بسجود رہنے کے وہ ہر وقت "مایل بہ قعود" کیون رہتے۔

اس شعر کی بنیاد صرف لفظ اگر پر قایم کی گئی ہے اور یقیناً یہ شاعرانہ معجزہ ہے کہ صرف ایک لفظ سے ایسے ایسے غوامض انھون نے اس شعر مین پیدا کر دئیے

اب جو نفس مین ہے خلوص نالہ مین کب اثر یہ تھا پردہ کوئی نہین رہا دل کے شکستہ ساز مین

یہ شعر بھی چند در چند عجایب فن اپنے اندر رکھتا ہے، پہلے مصرعہ کی اگر نثر کیجائے تو صورۃً اسکو یون ہونا چاہئے کہ "اب جو خلوص نفس مین ہے وہ نالہ مین کب تھا" اسطرح لفظ اثر بالکل بیکار ہو جاتا ہے اور اگر اس کی نثر یون کیجائے:-

"نالہ مین کب یہ اثر تھا جو اب نفس مین ہے" تو لفظ خلوص زاید قرار پاتا ہے۔ مگر جناب ناطق نے دونون لفظ رکھ کر گویا یہ بات پیدا کی کہ جس لفظ کو جی چاہے نکال کر معنے پیدا کر لیجئے اور یہ پہلی نمایش فن ہے۔ دوسرے مصرعہ مین متعدد مسایل طے کئے گئے ہین۔ ایک یہ کہ ساز ٹوٹ جانے کے بعد اگر صرف پردے رہجائین تو موسیقی پیدا ہو سکتی ہے، لیکن اس کا اثر نہین ہوتا، دوسرے یہ کہ جب شکستہ ساز کے پردے بھی غائب ہو جائین تو موسیقی پھر عود کر آتی ہے اور پوری قوت کے ساتھ

یہان یہ شک وارد ہو سکتا ہے کہ اگر اس شعر مین دل کو واقعی شکستہ ساز سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس مین پردے کس چیز کے ہونگے اور اگر پردہ بمعنی حجاب لیا گیا ہے تو دل کا ساز ہونا کیا؟ لیکن یہ اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ اہل لکھنؤ جب ایہام کی شاعری پر آجاتے ہین تو وہ اجتماع ضدین کو بھی حسن شاعری قرار دیتے ہین چہ جائیکہ اہمال

زخم عدو نہ دیکھئے آپ نگاہ ناز سے لوگ کہین گے داغ ہے دامن پاکباز مین

یہ شعر بالکل لکھنوی ساخت کا ہے کہ نگاہ مین اس کی وسعت کے لحاظ سے دامن پیدا کیا گیا اور جب اس مین دامن پیدا ہو گیا تو

معمولی کپڑے کے دامن کی طرح اس کو خون عدو سے داغدار بھی کر دیا۔

علاوہ اس نکتے پہلے مصرعہ کا دوسرا ٹکڑا بالکل بیکار ہے۔ اگر "نگاہ ناز سے" کو حذف کر دیا جائے تو معنی میں کوئی سقم پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر یہ کہا جائے کہ نگاہِ ناز کی تخصیص و تعیین ضروری ہے کیونکہ بغیر اس کے دامن نگاہ کی داغداری ثابت نہیں ہو سکتی، تو پھر سوال یہ ہوگا کہ محبوب کی وہ کونسی نگاہ ہے جس کو عاشق عدو کے لئے گوارا کر سکتا ہے اور جس سے دامن پاکباز کو وہ نہیں ہو سکتا

ناطق سوختہ جگر دلِ پہ تو ہات رکھ کر ذرا
ایسی ہی کچھ چمک سی تھی نالۂ جانگداز میں

ہر چند اس شعر میں مفہوم پیدا کرنے کے لئے حکیم صاحب نے غیر معمولی مسیحا نفسی سے کام لیا، لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے اول تو دل پر ہات رکھنے سے چمک کا احساس ہونا کیا معنی، ہات رکھ کر دھڑکن تو ضرور محسوس کیجا سکتی ہے، لیکن چمک دیکھنا تو آنکھ کا کام ہے نہ کہ ہات کا اور اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ اگر دل پر ہات رکھنے سے نالۂ جانگداز کی سی چمک محسوس ہوتی ہے (حالانکہ یہ مسئلہ بجائے خود حل طلب ہے کہ نالۂ جانگداز میں چمک کیوں ہی) تو پھر نتیجہ کیا، یعنی اگر ناطقِ سوختہ جگر کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ دل کی چمک اب اس خطرناک حد تک پہونچ رہی ہے جسے نالۂ جانگداز کہتے ہیں تو سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ زمانہ ماضی کا نالۂ جانگداز کیا سوائے دل کے کسی اور مقام سے نکلا تھا اور اگر یہ نہیں تو پھر دل کی چمک سے خبردار کرنا بیکار ہے

اس غزل میں دو شعر اور ہیں:۔

اس کی جبین پہ اس لئے آگئے شکن مچلگئی
سجدہ کو ناز کیوں ہوا ناصیۂ نیاز میں

جینے نہ دے اگر جیوں، مرنے نہ دے اگر مروں
مرگ و مسیح دونوں ہیں پیکرِ چارہ ساز میں

پہلا شعر بے عیب ہونے کی حد تک پھیکا و بے مزہ ہے اس لئے اعتناء نہیں کیا گیا اور دوسرے میں چونکہ لفظ پیکر کی ضرورت استعمال سے زیادہ اور کوئی امر بحث طلب پیدا نہیں ہوتا اس سے لئے مرگ و مسیح میں سے مرگ ہی کا انتخاب اس کے لئے موزوں سمجھا گیا۔

یہ ہے ایک لکھنوی (استاد) شاعر کی غزلگوئی کا رنگ جس پر اہل لکھنؤ کو ناز ہے اور جس پر اعتماد کر کے وہ دعوائے "انا ولا غیری" کا دم بھرتے ہیں۔

"طوشا انجل"

(نگار) یہ مضمون جس مقصد کے ساتھ لکھا گیا ہے، اسے لکھنے والے نے خود ہی ابتدائی سطروں میں ظاہر کر دیا ہے اور اگر مجھے اس مسئلہ کو اگست کے ملاحظات ہی کے ساتھ ختم کر دینا ہوتا تو شاید میں اس کی اشاعت مناسب نہ سمجھتا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس باب میں مخالف و موافق دونوں خیالات معلوم کر کے کسی نتیجہ پر پہونچوں اور اس کا ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ نگار کے چند صفحات کچھ دنوں کے لئے اس بحث و نزاع کے لئے مخصوص کر دیئے جائیں

میں اپنی رائے اس تنقید کے متعلق محفوظ رکھنا مناسب سمجھتا ہوں، لیکن میں تنقید نگار کے اس دعویٰ کو بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ غیر لکھنوی شاعروں کے کلام میں کوئی ایسی غزل پیش نہیں کیجا سکتی (اگر ناطق صاحب کی یہ غزل واقعی بقول نقاد لغو و مہمل ہے) اور میں اس چیلنج کو نہایت ہی ناروا جسارت سے تعبیر کرونگا

دوسرا دعویٰ (ضمنًا) یہ کیا گیا ہے کہ ساری دنیا لکھنوی شاعری کی طرف سے بدظن ہے۔ مین اسکے ماننے کیلئے بھی طیار نہین، بلکہ مین تو علی الرغم یہ کہتا ہون کہ اب بھی اک بڑی جماعت انھین لوگون کی ہے جو "لکھنؤ اسکول" کی شاعری پر سر دھنتے ہین اور "دہلی اسکول" کو پسند نہین کرتے۔

تیسری بات اور ہے جو یقینًا زیادہ توجہ کی مستحق ہے یعنی وہی "مومن اور غیر مومن" والا قصہ۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا ذہن بھی اس طرف منتقل نہ ہوا تھا کیونکہ اس خصوص مین میرا جو مشرب ہے وہ کسی سے مخفی نہین اور میرے نزدیک نوع انسانی مین اس قسم کی تفریقات پیدا ہوجانا انتہائی بدنصیبی ہے۔

بہرحال مین ابھی تک یہ ماننے کے لئے آمادہ نہین کہ اہل لکھنؤ کی خلش کا یہ سبب ہے اور اگر ہو تو بھی دوسرون کی تنگ نظری کا جواب تنگ نظری سے دینا کب جائز ہے۔

نیاز

علم الکیمیا کا ایک حیرت انگیز معجزہ

کایا پلٹ ہیر آئیل

کہنے کو صرف یہ تیل ہی لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے اکسیر کو بھی مات کرتا ہی۔ یہ تیل نہایت قیمتی اور نادر الوجود دنیا کی کیمیاوی اجزا سے جدید اصول پر تیار کیا گیا ہی اور جسکا تجربہ اڈیٹر نگار اور ملک کے بعض دوسرے معزز حضرات اور ڈاکٹر کرچکے ہین گھر مین اسکی ایک شیشی رکھنا گویا بہت سے امراض کو دفع کردینا ہے۔

(۱) اگر چندیا کے بال صاف ہوگئے ہین یا بالخورہ اور گنج ہوگیا ہی یا بال گرنا شروع ہوگئے ہین یا کمزور ہوگئے ہین یا سفید ہونے لگے ہین تو اس تیل کا استعمال ان کی جڑون کو فاسد رطوبتون سے صاف کرکے بال کا گرنا موقوف کردیگا بال بڑھائیگا اور جہان ان کے بال گرگئے ہین وہان نئے بال سیاہ پیدا کریگا۔

(۲) جن کو نزلہ درد سر یا شقیقہ دوران سر ضعف دماغ ضعف بصارت بے خوابی اور نسیان وغیرہ کی شکایت رہتی ہی ان کیلئے یہ تیل بڑی نعمت ہے نزلہ کو فوراً روک دیتا ہی اور دماغ و بصارت کو قوی کرکے عجیب قسم کا سکون پیدا کردیتا ہی اور عینک کے استعمال کو بھی غیر ضروری کردیتا ہی۔

(۳) شدت تپ کی حالت مین اسکی مالش فوراً ہذیانی حالت کو دور کرکے پسینہ لے آتی ہی اور بخار کو کم کردیتی ہی۔

(۴) ایسے مہلک امراض سے جیسے کنٹھ مالا، سل، دق اسکا استعمال کرنیوالا محفوظ رہتا ہی اور تمام اثرات نزلہ کو خواہ سر مین ہو یا دانتون یا مسوڑھون مین یکقلم دور کردیتا ہی۔

(۵) سر اور جسم کے پھوڑیان پھنسیان، گرمی دانے خارش اور ہر طرح کے جلدی امراض اسکے مالش سے کافور ہوجاتے ہین۔ ایک تازہ سرٹیفکٹ ملاحظہ ہو۔

مکرمی تسلیم۔ آپکا عنایت کردہ تیل بہت مفید ثابت ہوا ابھی ایک شیشی ختم نہین ہوئی ہی اور سر کی خشکی جاتی رہی بال گرنا بند اور نئے بال نکلنے شروع ہوگئے۔ براہ کرم حکم دیدیجئے کہ ایک شیشی اور بھیجی جائے اور آئندہ بغیر میری استدعا کے ہر مہینے کے شروع مین ایک شیشی بذریعہ وی پی روانہ ہوا کرے والسلام۔

نیازمند جعفر علی خان (ڈپٹی کلکٹر) رائے بریلی۔

جوابی امور کے واسطے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے

قیمت معہ محصول .... (۳ روپے)

منیجر کایا پلٹ ہیر آئیل۔ لکھنؤ

باب الاستفسار

غالب کی شاعری

(زبیدہ خاتون - رحمت باغ حیدرآباد دکن)

"میں نہایت ادب کے ساتھ جناب کی خدمت میں حسب ذیل استفسارات پیش کرنیکی جرات کرتی ہوں - اگر جناب کو زحمت نہو تو اپنے زرین خیالات سے مجھے مستفید فرمائیے -

(۱) شعر کی خصوصیات کیا ہیں؟ اور کیا ان میں فلسفہ داخل ہے غالب کی فلسفیانہ شاعری کے متعلق ڈاکٹر عبد الرحمان صاحب مرحوم بجنوری کی رائے سے آپ کس حد تک اتفاق فرماتے ہیں؟

(۲) ہندوستان کے شعرا میں غالب کا کیا درجہ ہے اور کن خصوصیات کی بنا پر؟"

(**نگار**) شعر کی خصوصیات کیا ہیں؟ یعنی کس شعر کو صحیح معنی میں شعر کہہ سکتے ہیں؟ یہ سوال اسقدر قدیم ہے کہ اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ تنقید کے اولین احساس کے ساتھ ہی یہ بھی وجود میں آیا تھا، اور اس لئے آپ جس زمانہ اور ملک کے لٹریچر کو اٹھا کر دیکھیں گی تو اس موضوع پر آپ کو کافی سرمایۂ تحقیق نظر آئے گا۔ مجھ سے سوال کرکے آپ کیوں اُس فرسودہ و پامال مبحث کو زندہ کرنا چاہتی ہیں، جس میں اب کوئی جدت و ندرت باقی نہیں رہی - پھر یوں بھی نگار کے گزشتہ مجلدات میں اس مسئلہ پر ایک سے زاید مرتبہ اپنے خیالات ظاہر کر چکا ہوں اور اس لئے اب انکا اعادہ کوئی لطف کی بات نہیں - مگر ہاں یہ کہنے سے باز نہیں رہسکتا کہ جس طرح حُسن و جمال کے لئے کوئی خاص مادی معیار اس وقت تک قائم نہیں ہوسکا اسی طرح فن یا اصول فن کے لحاظ سے شعر کی خوبی کا اندازہ دشوار ہے - البتہ جس حد تک ذوق و وجدان کا تعلق ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حُسن و شعر کی خوبی منحصر ہے صرف ناظر و سامع کے تاثر و تکیف پر جو بالکل ذاتی و انفرادی چیز ہے اور اس پر کسی کا اعتراض کرنا بالکل خلاف محل ہے - جس طرح ایک حبشی کی محبوبہ یورپ میں قبیح ترین چیز سمجھی جاتی ہے اس طرح حبش میں پیمبران فرانس کو مبروص سمجھکر اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا جاتا ہے، اور یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر آج تک یہ فیصلہ نہ ہوسکا کہ لکھنؤ اسکول کی شاعری قابل ترجیح ہے یا دہلی اسکول کی "ایک شخص جس کا دل کیفیت عشق و محبت سے خالی ہے اس کے نزدیک میر و درد کی شاعری لایعنی ہذیان سرائی ہے، اور دوسرا جو صرف حکایات محبت ہی سننا چاہتا ہے، وہ اسیر و ناسخ کے دواوین کو مجموعۂ مزخرفات جانتا ہے میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو میر کا یہ شعر سنکر:

اک نگہ سے بیش کچھ نقصان نہ آیا اس کے تئیں
اور میں بیچارہ تو اے مہربان مارا گیا

گھنٹوں کے لئے بیکار ہوگئے اور وہ ملکوتی نفوس بھی میری نگاہ سے گزر چکے ہیں جن کے نزدیک "مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا"

۱

شاعری کا بہترین معیار ہے۔

بہرحال تنقید شعر کے متعلق کوئی ایسا فیصلہ جس کو سنکر ہر شخص سر تسلیم خم کرے، نہ آجتک ہو سکا ہے نہ آئندہ اس کا امکان ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یقینی ہے کہ اگر کوئی شخص صحت عقل و فکر سے کام لیکر محض فطری اصول اور علمی مسلمات پر بنیاد رکھ کر ایک شعر کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے تو وہ ایسے حدود معین کر سکتا ہے جو "خالص"، "وعیار" کے تمیز میں مدد دے سکتے ہیں اور اسی لئے نہ صرف شعر بلکہ ادب و انشاء کے تمام اقسام کے لئے اولین اصول جس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے یہ قرار دے لیا گیا ہے کہ

انچہ از دل خیزد بر دل ریزد

پھر چونکہ شاعری میں زیادہ تر واردات قلب ہی سے بحث کیجاتی ہے، اس لئے وہاں اس کلیہ کی قوت اور زیادہ نمایاں نظر آتی ہے اور "بر دل ریزد" ہی کو دیکھ کر "از دل خیزد" پر حکم لگایا جاتا ہے

ہو سکتا ہے کہ ایک واقعہ میرے لئے اسدرجہ باعث تاثر نہ ہو جتنا آپ کے لئے، لیکن واقعہ کی نوعیت کو دیکھ کر بہ آسانی یہ فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اصولاً اس کا اثر کسقدر اور کیسا ہونا چاہئے اور یہیں سے وہ اصول مترتب ہوتا ہے جسے ایک شعر کی تنقید میں حقیقت مسلمہ کا درجہ حاصل ہے۔

شاعری میں حکمت و فلسفہ کے تمام شعبے داخل ہیں یا نہیں، میرے نزدیک لایعنی سی بحث ہے کیونکہ ممکن ہے فلسفہ شعر میں آکر بلند ہو جائے لیکن شعر فلسفہ کے حدود میں جا کر کوئی خاص امتیازی مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ شعر حقیقتاً نام ہے اُس شعور حفوی کا جس کا تعلق صرف انسان کے جذبات رقیقہ سے ہے یا اگر آپ سکو زیادہ بلند کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ جس کا تعلق روحانیت سے ہے اس لئے میرے نزدیک ایک شعر کا تعلق "اخلاقیات" سے تو ہو سکتا ہے لیکن "حکمیات غیر اخلاقی" سے متعلق کرنا خواہ مخواہ کی جسارت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فلسفہ و حکمت نہایت وسیع چیز ہے یعنی اس کی وسعت یہانتک ہے کہ "جرم و معصیت" بھی اس میں داخل ہو سکتی ہے، چنانچہ ہمارے ایک عزیز دوست جو "سور ہضم" کی حد تک فلسفہ واقع ہوئے ہیں دنیا کے بعض قبیح ترین و شنیع ترین حرکات کو بھی نہ صرف فطری بلکہ الوہیت سے ماورا (Superhuman) قرار دیتے ہیں۔ لیکن شعر کی نزاکت اسقدر بھیانک وسعت کی متحمل نہیں ہو سکتی اور وہ کبھی "داعیات فطرت صحیحہ" سے منحرف ہو کر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جس کو فطرت صحیحہ کہا جاتا ہے وہی ایک اعتباری و فرضی چیز ہے تو بیشک میرے پاس اسکا کوئی جواب نہ ہوگا اور میرے لئے اس صورت میں سپر ڈالدینا ہی زیادہ مناسب ہوگا۔

بہرحال چونکہ شعر کی پوری قوت کا اندازہ صرف اسی احساس و تاثر کے عالم میں ہو سکتا ہے جس کو مادیات یا منجر بہ مادیات سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ شرق و غرب ہر جگہ جس صنف سخن کی ترقی ہوئی یا جس کی قدر کی گئی وہ وہی ہے جسے تغزل یا غرامی (Amatory poetry) شاعری کہتے ہیں اس کی مقبولیت کا سب سے بڑا راز اس کا وہی غیر اکتسابی اور بالکل فطرت کے مطابق ہوتا ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جس شعر میں عہد وحشت کی سی سادگی پائی جاتی ہے وہی بہت زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔ ہرچند اس اصول کی بناء پر تغزل یا غرامی شاعری کے لئے یہ ضرور نہیں کہ وہ "تعلق جنسین" ہی میں محدود ہو، بلکہ وہ مذہب، اخلاق، مناظر فطرت، قوم و ملک ہر ایک سے وابستہ ہو سکتی ہے، لیکن یہ تمام "انشعابات" عہد ترقی اور دور تمدن کی چیزیں ہیں، حقیقی اور اصلی شاعری تو وہی ہے

جس کا درس عورت کی نگاہ اولین نے دیا تھا ولسد و رماتال

نخستین بادہ کاندر جام کردند ز چشم مست ساقی وام کردند

اس سلسلہ میں میرا مسلک اس باب میں بہت کچھ قدامت پسند (واقع ہوا ہے اور میں ایک شعر میں حکمت و فلسفہ کے بجائے، بیان درد و حکایت محبت کی جستجو کرتا ہوں اور اس میں کسی قسم کے تصنع کو پسند نہیں کرتا

ڈاکٹر بجنوری مرحوم جس زمانہ میں دیوان غالب کا مقدمہ لکھ رہے تھے، میں بھی بھوپال ہی میں تھا اور بارہا میرے اُن کے درمیان "غالب کی شاعری" موضوع بحث قرار پائی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بہت پاکیزہ ذوق سخن رکھتے تھے، نہایت ذہین شخص تھے اور پوری قوت نقد اُن میں موجود تھی، لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ اُس وقت تک سن وقوف کو نہ پہونچے تھے اور اُن کا ذوق شعر و تنقید پختگی کو نہ پہونچا تھا۔ میں نے ہمیشہ اُن سے یہی کہا کہ آپ نے اس کام کو کم از کم ۱۵ سال قبل از وقت شروع کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو غالب کی مدح سرائی کی وہ صورت جو ایک ذم کا پہلو لئے ہوئے ہے، کبھی اختیار نہ کرتے۔

غالب کے شاعر ہونے میں کس کو گفتگو ہو سکتی ہے، لیکن اس کے محاسن شاعری کا صرف اس لئے قایل ہونا کہ اسنے حکمت و فلسفہ کے تمام نکات حل کر دیئے ہیں نہ صرف خلاف حقیقت و واقعہ ہے بلکہ میرے نزدیک غالب کی شاعری کی توہین بھی ہے۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر بجنوری مرحوم کی نگاہ عقیدت نے حکمت و فلسفہ کے تمام رموز بستہ کا حل کلام غالب میں پالیا ہو لیکن میں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ غالب پر اتہام نہ ہو اور نتیجہ ہو صرف ڈاکٹر بجنوری کی شاعری کا۔ مجھے افسوس ہے کہ انھوں نے دیوان غالب میں غالب کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ خود اپنا مطالعہ کرنا چاہا، اور وہ یقیناً شاعری کے اس منزل میں تھے جس میں

بہ فیض بیدلی نومیدی جاوید آسان ہے

تو قلم سے نکل سکتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

مرے دل میں ہے یارب شوق وصل و شکوۂ ہجراں خدا وہ دن کرے جب اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

چونکہ ڈاکٹر بجنوری خود بہت دقت پسند و مشکل آفرین طبیعت رکھتے تھے اور زمانہ نے اُن کو کوئی درس ایسا نہ دیا تھا جو انسان سے "خیال محال" ترک کرائے "واقعیت مکانی" میں مبتلا کر دیتا ہے، اس لئے انھوں نے غالب کو شاعری کے اُن حدود میں ڈھونڈھا جہاں وہ صرف اسد تھا اور بجنوری صرف ڈاکٹر۔ اگر اُن کی عمر وفا کرتی اور کسی بیوفا سے واسطہ پڑتا تو اُن کے مقدمہ کا یہ رنگ نہ ہوتا اور پھر انھیں معلوم ہوتا کہ غالب کی شاعری کا وہی حصہ بیکار ہے جسے وہ فلسفہ طرازی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر بجنوری کا، دیوان غالب کو الہامی کتاب کہنا بالکل درست ہے کیونکہ ہر حقیقی شاعر کا حقیقی شعر الہام ہی ہوا کرتا ہے اور علاوہ غالب کے ہندوستان میں اور بھی شعرا ایسے ہیں جو اس حیثیت سے پیغمبری کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن بجنوری مرحوم نے الہامات کی تعیین کرتے ہوئے جس چیز پر زور دیا ہے وہ یہ ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ہمکو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

حالانکہ الہام حقیقتاً یہ ہے:۔

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو
تو تغافل مین کسی رنگ سے معذور نہین

اور یہی وہ خصوصیت شعری ہے جس کی بناء پر مومن کو غالب پر ترجیح دیجا سکتی ہے، کیونکہ مومن کی فلسفہ طرازی بھی اس رنگ کو نہین چھوڑتی اور غالب تغزل سے ہٹکر کہین کہین اس حد تک پہونچ جاتے ہین کہ ؎

ترے بیمار پہ ہین فریادی وہ جو کاغذ مین دوا باندھتے ہین

آپ کے سوال کا دوسرا حصہ کہ ,,ہندوستان کے شعراء مین غالب کا کیا درجہ ہے، اور کن خصوصیات کی بناء پر،، بہت زیادہ تفصیل کا محتاج ہے اور باب الاستفسار مین پوری طرح اسپر بحث نہین کیجا سکتی، تاہم مختصراً اسقدر ضرور عرض کرونگا کہ قبول و شہرت کا جہانتک تعلق ہے غالب کی ہستی بالکل منفرد ہے (گو مجھے اس مین کلام ہے کہ محض قبول و شہرت دلیل کسی کی خوبی کی ہو سکتی ہے یا نہین) لیکن نفس شاعری کے لحاظ سے اور وہ بھی اُردو مین، غالب کا مرتبہ نہ اسقدر بلند ہے جتنا بجنوری مرحوم نے سمجھا اور نہ اتنا گرا ہوا جتنا آپ کے حیدرآبادی پروفیسر ڈاکٹر عبد اللطیف نے سمجھایا۔ بلکہ اُس کا درجہ اس افراط تفریط کے درمیان ایک معتدل نقطہ پر قایم ہے۔

غالب کے کلام مین تین جداگانہ رنگ نظر آتے ہین، ایک وہ جسے غیر معتدل فارسی تخییل کہنا چاہئے مثلاً

شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

دوسرا رنگ وہ جس مین تخییل تو فارسی ہے لیکن بہت معتدل جیسے:۔

دہر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا گوش منت کش گلبانگ تسلی نہ ہوا یا
تغافلہائے تمکین آزما کیا غم آوارگیہائے صبا کیا

تیسرا رنگ وہ ہے جس مین صرف سادگی نے حسن کلام پیدا کیا ہے، مثلاً

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالین گے بے نیازی تری عادت ہی سہی
قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو کاشکے تم مرے لئے ہوتے وغیرہ وغیرہ

پہلے رنگ کا ذکر بالکل بیکار سی بات ہے، کیونکہ خود غالب ہی نے اس کو نظری کر دیا تھا اور اس کو سامنے رکھ کر غالب کی شاعری پر حکم لگانا مناسب نہین۔ رہ گئے باقی دو رنگ سو اس مین کلام نہین کہ یہ دونون اپنی اپنی جگہ نہایت پاکیزہ ہین، لیکن ان کو غالب سے مخصوص سمجھنا درست نہین اُس وقت جتنے کامیاب شعراء تھے، سب کے یہان کم و بیش یہی دونون رنگ پائے جاتے تھے علی الخصوص مومن کہ اگر اس کے کلیات کا استقصاء کیا جائے تو بلا مبالغہ کئی دیوان غالب نکل سکتے ہین۔ لیکن بایں ہمہ یہ نہین کہا جا سکتا کہ غالب کی شاعری یک اتباعی و تقلیدی رنگ رکھتی ہے اس کی معنی آفرینی، خلق مضامین، ندرت بیان، نوائے ترکیب، جدت تخییل، ہر چیز اپنی اپنی جگہ اس کے غیر معمولی ذہانت و طباعی کے ثبوت مین پیش کیجا سکتی ہے اور اگر آپ اس کے اُردو کے کلام کو نظر انداز کر دین (جسے وہ اپنا ,,مجموعۂ بے رنگ،، کہتا ہے) تو پھر فارسی مین اس کی انفرادیت

کو بھی ایک حد تک تسلیم کرنا پڑتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ غالب خود بھی اس کو محسوس کرتا تھا کہ ریختہ اس کے وسعت بیان کا متحمل نہیں ہو سکتا اور اس لئے اس نے زیادہ توجہ فارسی شاعری کی طرف کی۔

اس میں کلام نہیں کہ غالب کی وقت پسند طبیعت نے سب سے پہلے میرزا عبد القادر بیدل کا رنگ اپنے ریختہ اور فارسی میں پیدا کرنا چاہا لیکن چونکہ بیدل کا رنگ الفاظ و تراکیب سے بالکل علیحدہ محض وجدان و کیف سے پیدا ہونے والی چیز ہے جو غالب میں مفقود تھا اس لئے ان کو آخر کار سپر ڈالدینا پڑی اور اعتراف ناکامی کے بعد عرفی و نظیری کو پیش نظر رکھ کر شاعری شروع کی۔ جہانتک فارسی زبان اور شوخی و حلاوت کا تعلق ہے، یقیناً غالب کو عرفی اور نظیری ہی کے صف میں جگہ دیجائے گی بلکہ جوش و خروش کی حیثیت سے اس کا مرتبہ بلند نظر آئیگا لیکن اثر و تاثر کی دنیا مین غالب ان دونوں سے فروتر نظر آتا ہے۔ آپ غالب کا پورا کلیات چھان ڈالئے مگر عرفی کے اس شعر کا جواب آپ کو کہین نہیں ملیگا:۔

امروز نگاہِ من و عرفی بہم افتاد ۔۔۔ باہم نگرستیم و گرستیم و گزشتیم

غالب نظیری کی تقلید مین اپنی سرشاری کا اظہار کرتے ہوئے سیر نہیں ہوتا۔ چنانچہ متعدد جگہ لکھا ہے:۔

(۱) غالب از اوراق ما نقش ظہوری دمید ۔۔۔ سرمۂ حیرت کشیم دیدہ بدیدن دہیم

(۲) غالب از من شیوۂ نطق ظہوری زندہ گشت ۔۔۔ از نوا جان در تن ساز بیانش کردہ ام

(۳) جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالب ۔۔۔ خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم

اور اس مین شک نہیں کہ ان دونوں کے کلام مین اس درجہ اتحاد و یکرنگی ہے کہ مشکل سے امتیاز ہو سکتا ہے، لیکن پھر بھی نظیری کے اس نوع کے اشعار کا جواب اس سے نہ ہو سکا:۔

در محبت دل و دین باختن اول قدم ست ۔۔۔ ما نظیری ز تو خورسند بایںہا نہ شویم
مثال لب دریا و حال مستسقی ست ۔۔۔ دہند شوق و لے رخصت نظر ندہند
تو مپندار کہ این قصہ بخود می گویم ۔۔۔ گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

الغرض تغزل مین معاملات محاکات، رشک و حسد، طعن و تشنیع، شوق وصل و شکوۂ ہجران وغیرہ تمام وہ جذبات جو پندارِ عشق کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں غالب کے یہاں نہایت خوبی و اہتمام سے پائے جاتے ہیں، لیکن جہانتک جذبات استسلام (Passive feelings) کا تعلق ہے، غالب کی شاعری کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتی۔ یہی سبب ہے کہ غالب کے قصاید اُس کی غزلوں سے اور مثنویاں قصاید سے بہتر ہیں۔ کیونکہ قصاید مین رنگ تغزل ضروری نہیں اور مثنوی مین وسعت بیان کے لئے کافی میدان موجود ہوتا ہے جسمین غالب ایسا محاکات نویس و معاملہ نگار پورا زورِ طبیعت صرف کر سکتا ہے۔

"نیاز"

سالومی آسکر وائلڈ کے نہایت مشہور ڈرامہ کا ترجمہ جسے جناب مجنون گورکھپوری نے اپنی قوت بیان اور سلاست کے ساتھ کیا ہے جو آسکر وائلڈ کے خصوصیات انشاء مین داخل ہیں اس مین ایک مختصر مگر جامع مقدمہ بھی شامل ہے جسمین اس ڈرامہ کی تاریخ و دیگر خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے قیمت علاوہ محصول ۱۲؎

مینیجر "نگار" لکھنؤ

ہوا کا ترانہ

نہ ہے رہبر کوئی میرا نہ ہے رہزن میرا — کہین منزل ہے مری اور نہ مسکن میرا
مست پرواز سدا رہتا ہے توسن میرا — کبھی اُلجھا نہ کسی خار سے دامن میرا

آرہی ہون مین کہان سے یہ مجھے یاد نہین
کوئی دنیا مین مری طرح بھی آزاد نہین

گام پیما ہون مین خاموش بیابانون مین — میرے ہنگامے تڑپتے ہین گلستانون مین
دشت مین، وادی کہسار مین، ویرانون مین — بزم آرا ہون مین دنیا کے شبستانون مین

وہ فضا کون سی ہے مجھ سے جو آباد نہین
کون سا لب ہے وہ جس پر مری روداد نہین

ابر ہین سبزۂ گردون پہ خرامان مجھ سے — قلزم آب مین موجین ہین غزلخوان مجھ سے
صحن گلزار ہے فردوس بہ دامان مجھ سے — رقص پیما ہین شرر ہائے گلستان مجھ سے

عکس آرائے گلگون ہے مرے سینے مین
زندگی جلوہ نما ہے اسی آئینے مین

ہر طرف پھیلی ہے اس باغ مین نکہت میری — نہین دیکھی ہے کسی نے کبھی صورت میری
ایک حالت پہ نہین رہتی ہے فطرت میری — ہر طرف مجھ کو لئے پھرتی ہے وحشت میری

نقش ہوتے نہین جنبش سے نمایان میری
جادہ رفتار سے رہتا ہے گریزان میری

مین اُڑا لاتی ہون پھولون کی بہار رنگین — مین الٹ دیتی ہون سے کدہ دیار رنگین
توڑ لیتی ہون مین گلہائے شرار رنگین — مین چرا لاتی ہون نغمون کے نگار رنگین

آہ و فریاد کے پوشیدہ ہین پارے مجھ مین
سو رہے ہین غم و عشرت کے شرارے مجھ مین

کشمکش سے مرے ہوتے ہین ترنم پیدا — میرے جلوون سے ہے کلیون مین تبسم پیدا
پتیون مین مرے دم سے ہے تکلم پیدا — مین نے سبزہ پہ کئے صبح دم انجم پیدا

سن کے میرے نفسِ مست سے اعجازِ بہار
لب ساحل پہ بجا کرتے ہین موجون کے ستار

قصرِ گل توڑ کے نکہت کو چرا تی ہون مین	دشت و کہسار کو پھولون مین بسا تی ہون مین
بے کے گہوارہ مین کلیون کو کھلا تی ہون مین	برگ خوابیدہ کو نغمون سے جگا تی ہون مین

صبح دم باغ مین شاخون کو سنوار آتی ہون
گل کے افسردہ چراغون کو اُتار آتی ہون

آہ کرتی ہون مین جا کر کبھی ویرانون مین	کبھی گاتی ہون ترانے مین شبستانون مین
پھول چنتی ہون کبھی آکے گلستانون مین	اور اڑاتی ہون کبھی خاک بیابانون مین

جام شبنم کبھی پھولون کو پلا دیتی ہون
اِن کی محفل سے کبھی اِن کو اُٹھا دیتی ہون

بال سنبل کے کبھی کھینچ لیا کرتی ہون	دامن گل پہ کبھی رقص کیا کرتی ہون
کبھی دوشیزۂ نرگس سے حیا کرتی ہون	چوم کر لب کبھی پھولون کے چھپا کرتی ہون

فرش سبزہ پہ کبھی ناز سے اٹھلاتی ہون
تھام کر دامن نکہت کبھی اِتراتی ہون

چادرِ گرد اڑا لاتی ہون صحراؤن سے	گوہر آب چرا لاتی ہون دریاؤن سے
شاہدے کو بھگا لاتی ہون میناؤن سے	نکہت گل کو جگا لاتی ہون ایماؤن سے

توڑ لیتی ہون گل شمع شبستانون مین
جام شبنم کو پٹک دیتی ہون ویرانون مین

تنگ آجاتی ہون جب گھوم کے صحرا و چمن	آکے دریا مین بناتی ہون مین آبی مسکن
اُس مین بنتی ہون شعاعون سے انوکھا دامن	یاد آتے ہین مگر جب گلِ صحرائے وطن

دم مین بس توڑ کے اس خیمۂ آبی کی رسن
برق مضطر کی طرح اڑتی ہون بے رنج و محن

تابِ خورشید سے جب کانپنے لگتی ہے فضا	جسم کو پیرہن خاک مین لیتی ہون چھپا
نے کے دامن مین بھر اپنے خس و خاشاک بلا	رقص کرتی ہوئی اٹھتی ہون مین مینار نما

اِک بلندی پہ بناتی ہون نشیمن اپنا
پھر اُتر آتی ہون مین پہاڑ کے دامن پنا

لب جو آئینہ پھولون کو دکھاتی ہون کبھی　　اور گہوارہ مین موجون کے کھلاتی ہون کبھی
وصل و ہجران کے مزے دم مین چکھاتی ہون کبھی　　مین ملاتی ہون کبھی اُن کو ہٹاتی ہون کبھی
دشت و کہسار مین نکہت کو بکھرایا مین نے
عالم خواب مین غنچون کو ہنسایا مین نے

آ کے سنتی ہون کبھی نغمۂ مرغانِ بہار　　کبھی پھولون کا لگاتی ہون چمن مین انبار
ناچتی ہون کبھی دامن مین لئے اپنے شرار　　کھیلتی ہون کبھی چشمون کو بنا کر گلزار
چھیڑ کر موج کو اک زمزمہ سنتی ہون کبھی
آستین پیرہنِ آب کی چنتی ہون کبھی

چاند جب کھول کے دروازۂ زرین اپنا　　کہتا ہے تارون سے افسانۂ غمگین اپنا
جوش مستی مین لئے بربطِ پروین اپنا　　آ کے مین چھیڑتی ہون نغمۂ رنگین اپنا
رقص کرتے ہین مرے سامنے گلہائے چمن
چومتی ہون مین لبِ نکہت فردوس وطن

جام مہتاب سے جب ہو کے ستارے مدہوش　　سنتے ہین شاہد فطرت کی نوائے خاموش
چادرِ ابر سمن بار سے پیرایہ بدوش　　آ کے ہوتی ہون مین اس بزم مین افسانہ نیوش
کبھی چھپ جاتی ہون لیکر گلِ انجم کی بہار
اور ہنستی ہون بنا کر یہی پھر نقش و نگار

چاند کو توڑ کے موجون پہ بہاتی ہون کبھی　　اور ٹوٹے ہوئے ٹکڑون کو ملاتی ہون کبھی
گل سوسن کی طرح اُس کو ہنساتی ہون کبھی　　چھین دامن مین اُسے اپنے چراتی ہون کبھی
اُس کو آغوش مین لے کر کبھی سو جاتی ہون
ظلمت شب کی طرح نور مین کھو جاتی ہون

چادرِ ابر پہ لے کر کبھی مستی مین قلم　　مین بناتی ہون کہین شہر کہین بزم صنم
کہین مینار، کہین قصر، کہین رقص علم　　کہین چشمے، کہین کہسار، کہین باغ ارم
دم مین یہ نقش بنا کر مین مٹا دیتی ہون
آئینہ شاہد ہستی کو دکھا دیتی ہون

شور کرتی ہون مین آ کر کبھی ویرانون مین　　خیمہ بردوش کبھی پھرتی ہون میدانون مین
کبھی پردون کو الٹ دیتی ہون ایوانون مین　　کھیلتی ہون کبھی شمعون سے شبستانون مین

حسنِ گلزار کو کرتی ہون مین مستی مین خراب
آکے موجون پر تڑپتی ہون مین ہو کر بے تاب

لے کے گرداب مین کشتی کو مچلتی ہون کبھی   بادبان چیر کے جون برق نکلتی ہون کبھی
مین اُگلتی ہون کبھی اُس کو نگلتی ہون کبھی   منہ مین مچھلی کی طرح لے کے اچھلتی ہون کبھی

پھینک دیتی ہون کبھی دشت کو دریاؤن مین
کبھی دریا کو الٹ دیتی ہون صحراؤن مین

ابر کی فوج کو میدان مین لاتی ہون مین   شور کر کے دہل رعد بجاتی ہون مین
آگے آگے علمِ برق ہلاتی ہون مین   لشکرِ مہر کو حملون سے بھگاتی ہون مین

ہنس کے پھر بادشہ نور کو شرماتی ہون
چادرِ قوس قزح اوڑھ کے سو جاتی ہون

میرے آغوش مین سوتے ہین ہزارون طوفان   ہین ہزارون میرے دامن پہ بہارین قصان
قہر مین کرتی ہون سیلاب پہ دنیا کو روان   اور خوشی مین اُسے کر دیتی ہون فردوس نشان

رقص کرتے ہین ہر اک رنگ کے جوہر مجھ مین
مین ہون عالم مین نہان عالمِ محشر مجھ مین

یاسمن روکتی ہے ناز سے توسن میرا   ہنس کے گل کھینچتے ہین گوشۂ دامن میرا
ہاتھ ہی ہاتھ لئے شاہ سوسن میرا   کہتی ہے ناز سے آ دیکھ نشیمن میرا

کوئی پہناتا ہے پیراہن نکہت مجھ کو
اور سناتا ہے کوئی نغمۂ عشرت مجھ کو

نگرانِ عشوہ گردن سے مین چھڑا کر دامن   موجِ دریا کی طرح دیکھتی صحرا و چمن
جوشِ وحشت مین گزر جاتی ہون بے رنج و محن   کیا ہو مجھ پر اثرِ جادوِ نسرین و سمن

میری رفتار مین مضمر ہے نشیمن میرا
میرے دامن کی فضاؤن مین ہے گلشن میرا

تھی مین گلبانگ جہان خیز ازل پر رقصان   حضرتِ نوح کے طوفان مین ہر سو تھی روان
مین ہون دیکھے ہوئے جمشید کی محفل کا سمان   یون ہی گاؤن گی سدا دیکھ کے نیرنگ جہان

ہے ہوا نام میرا کام روانی میرا
سب کو سیراب کئے رہتا ہے پانی میرا

طفیل احمد شمیمی بی۔ اے

سیر کہسار

کھینچ چکا تھا پردۂ شب مطلعِ کہسار سے
چھن رہی تھی روشنی قطراتِ گوہر بار سے

کس طرح کھلنے سے رہتا غنچہ مرجھایا ہوا
ایک رنگِ قرمزی تھا چرخ پر چھایا ہوا

تھی فضا خاموش مثلِ پیکر "تصویرِ شوق"
اور قرطاسِ زمین پر پھول تھے "تحریرِ شوق"

پتی پتی سے نمایان شانِ محبوبی ہوئی
ٹھنڈی ٹھنڈی تھی ہوا بھی اوس مین ڈوبی ہوئی

ایک غفلت تھی مسلط وادیِ کہسار پر
چھا رہی تھی بیخودی "یا فطرتِ سرشار پر

یا نیازِ شوق مین ساری فضا مسجود تھی
قدرتِ تقویم گویا شاہدِ مقصود تھی

ناگہان اک نازپرور نازگستر نازنین
ماہ طلعت، ماہ رفعت، ماہ پیکر مہ جبین

ساتھ اپنے ہمنشین کے سیر کرنے آگئی
بیخودی سی اور کچھ ساری فضا پر چھا گئی

زلف اُس کی غیرتِ ظلمات یا مشکین کمند
یا "طنابِ عنبرین"، یا رشتۂ حسن بلند

فرق، رشکِ برقِ کوہِ طور یا خطِ شہاب
یا افق پر جلوہ گر تارِ شعاعِ آفتاب

طاقِ ابرو سے عیان تھا حل کرے گا گلکدہ"
سرخ ٹیکا بیچ مین تھا یا سوادِ "گل کدہ"

تھی وہ چلمن یا مژہ تھی مے فروشی پر تلی
یا دوکان تھی ساقیِ غارتگرِ دین کی کھلی

پتلے پتلے ہونٹھ تھے یا تھے خطِ جامِ شراب
انگبین ان سے چکان تھا یا روان رنگِ شہاب

نور کا فوارہ تھا یا گردنِ بلور تھی
یا صراحی نور کی یا برقِ کوہِ طور تھی

سینۂ شفاف گویا تختۂ کافور تھا
شانۂ سیمین جلائے غیرتِ بلور تھا

فطرتِ معصوم یا ناظورۂ مدہوش تھی
مختصر یہ ہے سراپا محشرِ خاموش تھی

اپنے پہلو مین لئے مصروفِ گلچینی تھا وہ
چشمِ شوق آرزو سے محوِ رنگینی تھا وہ

جب بکھرتی زلفِ شبگون اسکو سلجھاتا کبھی
جب پلٹتی چشمِ میگون، لڑکھڑا جاتا کبھی

جب تبسم کی جھلک دیتی پیامِ بیخودی
کروٹین لیکر بدل جاتا نظامِ بیخودی

جب غضب آلودہ تیور سے برستین بجلیان
وہ لرز جاتا مثالِ "طائرِ بے آشیان"

مختصر یہ ہے کہ دونون "ہمنوائے عشق تھے"
واقعاتِ عاشقی تھے "ماجرائے عشق" تھے

عشق مین حرص ہے اگر تو حسن بے پروا نہین
جس مین بدمستی نہو ایسی کوئی صہبا نہین

لازم و ملزوم ہیں سرچشمہائے زندگی باعثِ تنظیمِ دل ہیں نغمہائے زندگی
چند ایسے شوخ لمحے ہیں مآلِ زندگی!
ربطِ حسن و عشق حافظؔ ہے جمالِ زندگی!!

حافظ غازیپوری

جنوری سنہ ۳۰ء سے

دار الاشاعت نگار سے ایک نئے رسالہ کا اجراء

اس رسالہ کا نام جِن ہوگا۔ جن کے لغوی معنی ہیں ہر وہ چیز جو حواس ظاہری سے پوشیدہ ہو، اس لئے اس رسالہ میں تمام اُن امور، و واقعات سے بحث ہو گی جن کا تعلق "ماوراء عالم حواس" سے ہے اور جس میں جنات، ارواح خبیثہ، مابعد الطبیعیات، روحانیات، وغیرہ سب شامل ہیں۔ اس میں نہ صرف جنات وغیرہ کے معتبر واقعات وحکایات ہونگے، بلکہ ان پر تنقید بھی ہو گی، عالم ارواح و روحانیت کے متعلق جدید ترین تحقیقات و معلومات بھی ہونگی اور "حیات بعد الممات" کے متعلق اس وقت تک جو کچھ دریافت ہو چکا ہے اور ہوتا جا رہا ہے وہ بھی درج ہوتا رہیگا۔

اس رسالہ کی تقطیع ۲۰×۲۶ ہو گی اور ۲۵ سطر کے مسطر پر دو کالم میں باریک خط سے لکھا جائیگا۔ حجم فی الحال دو جزو ہو گا جس میں ۸ صفحات مستقلاً علمی تحقیقات کے لئے وقف ہونگے۔ اس رسالے میں ارواح خبیثہ اور جنات کے جتنے واقعات درج ہونگے ان سب کو مصور پیش کیا جائیگا جس کے لئے ایک آرٹسٹ کی خدمات مستقلاً حاصل کی گئی ہیں۔ رسالہ کی سالانہ قیمت ۴؏ تجویز کی گئی ہے اور ایک سال سے کم مدت کے لئے چندہ قبول نہ کیا جائیگا۔

جن حضرات کو اس دنیا سے دلچسپی ہو وہ براہ کرم اپنا پتہ بھیجدیں تاکہ بعد اشاعت رسالہ کا نمونہ اُن کے پاس روانہ کیا جائے۔

اس کے ساتھ یہ استدعا بھی ہے، کہ اگر کسی شخص پر اس کی زندگی میں کوئی واقعہ ایسا گزرا ہے جسے وہ جنات یا بھوت پریت سے منسوب کرتا ہے تو براہ کرم اس کو قلمبند کر کے روانہ کر دے زبان و تحریر کی پرواہ نہ کیجئے، یہاں اس کو درست کر لیا جائے گا اور واقعہ کے مطابق تصاویر طیار کرائی جائینگی۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ صرف اپنا تجربہ و مشاہدہ پیش کیا جائے دوسروں سے نقل کی ہوئی روایت نہ ہو۔

پہلا پرچہ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء کے نگار کے ساتھ ہی شایع ہو جائے گا۔

مینیجر نگار، لکھنؤ

تربیت اطفال

ذرہ دہر مین ہے نورِ قمر جلوہ فگن
سینۂ تخم مین ہے عکسِ شجر جلوہ فگن

صاعقہ پاش ہے گو موج روان دریا مین
دیکھنے والا مگر کوئی نہین دنیا مین

صحنِ گلشن سے اگر شاخ نہوتی روپوش
ہوتے کچھ غنچۂ خوشرنگ وہان جلوہ فروش

قطرے نیسان کے صدف سے جو نہ باہر گرتے
ایسے دُر بنتے کہ پھر نظرون سے گوہر گرتے

آہ اطفالِ وطن آج جو آوارہ ہین
ماہ بے نور ہین، آئینۂ ناکارہ ہین

صیقل علم سے گر انکو جِلا دی جاتی
انکے سینون ہی سے پھر کسبِ ضیا کی جاتی

(محمود-اسرائیلی)

تحریصِ عمل

تو ہی بلبلِ چمن ہے ہمہ سوز و ساز ہو جا
تو ہی شمعِ انجمن ہے ہمہ تن گداز ہو جا

یہ ترا سکون پیہم ہے حریفِ زندگانی
اسے سونپ کر خدا کو تو خرام ناز ہو جا

تری ہر ادا مین مضمر ہے جہان سرفرازی
ابھی اسکو آزمالے۔ ابھی سرفراز ہو جا

تری بندگی کی خو نے نہ تجھے کہین کا رکھا
دلِ غزنوی بگڑ کر نگہ ایاز ہو جا

ہے ترے عمل کی دنیا جسے خواب کہہ رہا ہے
جو شعورِ زندگی ہے تو عمل نواز ہو جا

تری "بزمِ آرزو" کا ہے جنون مدعا کو
تری "شمعِ جستجو" کی ہے تلاش ارتقا کو

ابن حزین

غزلیات

اختر شیرانی :—

دل و دماغ کو رو لونگا، آہ کر لونگا — تمھارے عشق مین سب کچھ تباہ کر لونگا!
جو تم سے کر دیا محروم، آسمان نے مجھے — مین اپنی عمر کو صرفِ گناہ کر لون گا!
ثواب کے لئے ہو جو گنہ وہ عینِ ثواب! — خدا کے نام پہ بھی اک گناہ کر لون گا!
حریمِ حضرتِ سلمیٰ کی سمت جاتا ہون — ہوا نہ ضبط تو چپکے سے آہ کر لون گا!
مجھے جو دیر و حرم مین کہین جگہ نہ ملی — ترے خیال ہی کو سجدہ گاہ کر لون گا!
یہ نوبہار، یہ ابر و ہوا، یہ رنگِ شراب! — چلو جو ہو سو ہو، اب تو گناہ کر لون گا

کسی حسین کے معصوم عشق مین اختر
جوانی کیا ہے مین سب کچھ تباہ کر لونگا!

دل شاہجہانپوری :—

بے نیازی ہے اُسکی عجز نواز — وقفِ سجدہ رہے جبینِ نیاز
اپنے نغمون کو چھیڑ اے بلبل — ہر گلِ تر ہے گوش بر آواز
کھنچ رہی ہین دلِ حزین کی رگین — ہم نفس اُٹھ رہا ہے پردۂ راز
شمع گریان ہون بزمِ ہستی مین — ہر نفس عشق مین ہے روح گداز
چھیڑتی ہے عبث ہوائے چمن — اب کہان ہم مین ہمتِ پرواز
زینتِ حسن بے حقیقت ہے — ہو نہ آلودۂ فریبِ مجاز
صورتِ شمع جل خموشی سے — ہے تقاضائے عشق سوز و گداز
شبِ غم اے دلِ فراق نصیب — ہے مصیبت خیالِ زلفِ دراز

کوچۂ عشق مین جنابِ دلؔ
ہے عبث شکوۂ نشیب و فراز

افسر صدیقی امروہوی :—

رازِ ہستی کس سے پوچھین کسکو اتنا ہوش ہے — آئینہ خانے مین ایک ایک آئینہ خاموش ہے
حشر کیون کرتا ہے اپنی فتنہ سامانی پہ ناز — میرے پہلو مین بھی اک ہنگامۂ خاموش ہے
شمع کیون بیتاب ہے جلتا ہے پروانہ اگر — عشق تو دیوانہ ٹھہرا حسن کو کیون جوش ہے
بیٹھے ہو کیون ڈالے ہوئے روئے روشن پر نقاب — دیکھ لے جلوہ تمھارا کس کو اتنا ہوش ہے
کان مین آتی نہین اب لن ترانی کی صدا — ایک مدت ہو گئی دنیائے دل خاموش ہے

صبحِ خندان کی طرح افسر مرا دل ہے نہال
شامِ فرقت مین نہ جانے کون ہم آغوش ہے

نظیر لودھیانوی :—

تجھے دلبری کا مذاق ہے تو ہجومِ سرو و سمن مین آ — بہزار جلوہ دمِ سحر تو نکل کے گھر سے چمن مین آ
تجھے ربطِ تیر و کمان سے کیا تجھے کام تیغ و سنان سے کیا — تو نہالِ حسن و جمال ہے تو بہار بن کے چمن مین آ
ذرہ کرم کبھی اے صبا یہ پیام میرا اُسے سنا — کہ جلو مین عالمِ نو لئے شبِ دہرِ کہن مین آ
نہ ہو پائے ریاضِ فرنگ مین نہ نوائے جلوہ گہ نگین — جو تلاشِ لیلیٰ آرزو ہے تجھے تو نجد کے بن مین آ
تو ہر ایک طرح کا ظلم سہ تو رضائے دوست مین مست رہ — تو صراطِ عشق مین گام اٹھا تو نیاز وار رسن مین آ
جو اضطراب فزا نہین کبھی زندگی کا مزا نہین — جو نہین ہے شغلِ رباب و مے تو حریمِ اہلِ سخن مین آ
یہ کہا ہے خضر مسیح نے کہ نہ بے خبر ہو مآل سے — یہ نشاطِ عمر ہے یک نفس تو فریبِ چرخِ کہن مین آ

جو چڑھے تھے رنگ اتر گئے کئی ماہ و سال گذر گئے
ہے پرانے دیس کا ذوق کیون تو نظیر اپنے وطن مین آ

معلومات

کانچ اور فولاد کا شہر

اسوقت یوروپ کے مسائل تمدن مین سے ایک بڑا مسئلہ مکانون کی تعمیر کا ہے۔ آبادی کی کثرت سے جگہ مین تو اضافہ ہوتا نہین اور ہر آدمی کے لئے ہر نوع ایک معین جگہ زمین پر سانس لینے اور رہنے کے لئے ضروری ہے، چنانچہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ وہان کے موجودہ مکانات آبادی کے لحاظ سے بہت تنگ اور اصول صحت کے اعتبار سے ناقابل سکونت ہین نہ خاک سے پوری طرح حفاظت ہوتی ہے نہ ہوا اور روشنی کافی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ گنجان آبادی مین سڑک کے دونون جانب بلند عمارتون کا سلسلہ نہ ہوا کو آزادی کے ساتھ آنے دیتا ہے نہ روشنی کو، اور ہر چند وہان کمرون کے اندر ہوا اور مصنوعی روشنی پہونچانے کا انتظام بہت پُرپیچ طریقون سے کیا جاتا ہے لیکن خاطر خواہ اس مین کامیابی نہین ہوتی۔

لندن کے ایک مشہور ماہر تعمیرات سنڈے ایکسپریس مین اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ یہ مشکل صرف اس طرح حل ہو سکتی ہے کہ تعمیر نہایت سادہ ہو، نیز علمی طور پر تعمیری کا ایک جزو قرار دیا جائے اور بجائے اینٹ پتھر کے صرف فولاد اور کانچ کی عمارتین بنائی جائین۔ چنانچہ یوروپ و امریکہ کے ماہرین فن نے عمارتون کے بالکل نئے نقشے طیار کرنا شروع کر دیئے ہین اور بڑی حد تک تمام دقتون کو دور کر کے مستقبل کی تعمیرات پر علمی حیثیت سے کوششون کا آغاز ہو گیا ہے

تجویز یہ ہے کہ بجائے بنیاد کھودنے کے جس مین رطوبت، گندگی اور دقت سبھی کچھ پیدا ہوتی ہے، عمارتین صرف ستونون پر قائم کی جائین تا کہ سڑک بھی وسیع رہے، لوگون کی آمد و رفت مین بھی سہولت پیدا ہو اور دکانون کو بھی کافی جگہ ملجائے۔ جدید عمارتین فولاد، کانچ اور کنکریٹ کی ہونگی جن کے نیچے باغ مصنوعی جھیلین، پیرنے کے حوض، تفریح گاہین وغیرہ سب بن سکین گی اور اس طرح یہ تمام اسباب صحت و تفریح شہر کے اندر ہی ہر جگہ مہیا ہو سکین گے۔

لوگون کا خیال ہوگا کہ کانچ ایسی نازک چیز کے مکانات بہت کمزور ہونگے لیکن یہ صحیح نہین کیونکہ اگر کانچ بہت دبیز استعمال کیا جائے تو اس سے زیادہ مضبوط کوئی چیز نہین اور اس کی دیوارین چھتین، دروازے، اور ستون بغیر کسی خطرہ کے بنائے جا سکتے ہین، اسی کے ساتھ سب سے بڑا فایدہ یہ ہے کہ شیشہ پر نقاشی، رنگسازی وغیرہ بھی بہت آسانی سے ہو سکتی ہے اور اُسے جس طرح چاہین ڈھال سکتے ہین اور حسین سے حسین چیز اس کی طیار کر سکتے ہین، پھر چونکہ وہ صاف رہنے والی چیز ہے، تم کو قبول نہین کرتی، اس پر خاک نہین جمتی اس لئے صحت کے لئے بھی بہت مفید ہے اور ارزانی اسکی ظاہر ہے۔

شیشہ کی عمارتون مین مصنوعی روشنی کا سوال بھی بالکل اُٹھ جائیگا کیونکہ یہ عمارتین ایسی بنائی جائین گی کہ از خود روشن ہو جائین اور اس طرح گویا کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل کے مکانات روشنی کے بنے ہوئے ہونگے

اہرام مصری کا راز

اہرام مصری کے متعلق ایک نہایت عجیب و غریب نظریہ حال ہی مین یہ قائم کیا گیا ہے کہ مصر قدیم کے کاہن اس سے دھوپ گھڑی کا کام لیتے تھے اور موسم کی پیمایش کرتے تھے۔ مسٹر کاٹسورتھ نے جو اس قیاس کا موجد ہے، حکومت مصر کو لکھا ہے کہ سب سے بڑے مینار کی چوٹی کا منہدم حصہ بنانے کی اجازت دیجائے تا کہ اس کا تجربہ ہو سکے۔

اس کا خیال ہے کہ مینار کا شمالی حصہ بجائے ڈایل یا سایہ دیکھنے کی جگہ کے استعمال ہوتا تھا اور اس کا تجربہ کرنے کے لئے مینار کی چوٹی کی تعمیر ضروری ہوگی۔

اس وقت تک جو عام طور پر یہ خیال قایم کیا جاتا ہے کہ اہرام مصری صرف فراعنہ کی لاشوں کو محفوظ رکھنے کے لئے بنائے گئے تھے، مسٹر کاشورتھ کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قدیم اہل مصر بڑے عملی لوگ تھے اور اہرام مصر صرف اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ مصر کے کاہن اس کی مدد سے موسموں کی تعیین کر سکیں، چنانچہ اہل مصر اس مدد سے اپنے ایک خاص غلہ کی تین تین فصلیں کاشت کر لیتے تھے۔ تیسری مرتبہ کاشت کرنے کے لئے اگر دو چار دن کی بھی دیر ہو جاتی تو فصل خراب ہو جاتی تھی لیکن اہرام مصری کی مدد سے ایک دن کیا بلکہ ایک گھنٹہ کی بھی دیر نہ ہوتی تھی اور وقت کاشت کی بالکل صحیح تعیین ہو جاتی تھی،

اہرام مصر گویا کاہنین مصر کی پوشیدہ جنتری تھی جس کی مدد سے وہ مصر کے کاشتکاروں کو احکام صادر کرتے رہتے تھے اور اس کے راز کو وہ کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ چونکہ مصر کی ساری آبادی کاشتکاری پیشہ تھی اور خود ان کو وقت و موسم کے تعیین کا طریقہ معلوم نہ تھا، اس لئے وہ کاہنوں کو نہایت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کا بڑا اثر سارے ملک پر قایم تھا۔ وہاں کے کاہن ہر ماہ کے دسویں، بیسویں اور تیسویں دن ہر عشرہ کا پروگرام بتادیا کرتے تھے کہ آیندہ دس دن میں کیا کرنا چاہئے اور موسم کی کیا حالت ہوگی مثلاً:- خزاں شروع ہو گئی ہے۔ دریائے نیل پوری طغیانی پر ہوگا نہروں کے دہانے کھول دو، لونگ چقندر اور شلغم کی کاشت شروع کر دو، بھیڑوں کو مینڈھوں سے علیحدہ کر دو، زیتون اور روئی چن لو، پھلوں جمع کر لو۔

اور یہ تمام پیشین گوئیاں وہ اہرام مصری کی مدد سے کیا کرتے تھے اگر مسٹر کاشورتھ کا یہ قیاس صحیح نکلا اور حکومت مصر نے اس کو مزید تفتیش کی اجازت دیدی تو یقیناً یہ انکشاف نہایت ہی دلچسپ انکشاف ہوگا۔

زمین اور شہاب ثاقب ڈاکٹر چارلس پی اولیور نے جو جامعہ پنسلوینیا کے رصدخانہ کے مہتمم ہیں حال ہی میں فلکیات کی ایک مجلس میں تقریر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسوقت روزانہ کروڑ شہاب ثاقب زمین تک پہونچنے والے وہ ہیں، جو ہمکو نظر آتے ہیں ورنہ جو دوربین سے دیکھے جاتے ہیں ان کی تعداد کا علم کسی کو نہیں۔ پھر حیرت ہے کہ ان سے زمین کو کیوں نقصان نہیں پہونچتا اس کا سبب یہ ہے کہ جب وہ آسمان سے ۳۰ سے لیکر ۴۰ میل فی سکنڈ کے حساب سے چلتے ہیں، تو فضا کی گرمی ان کو جلا کر خاک کر دیتی ہے، اور جب وہ زمین پر پہونچتے ہیں تو راکھ کا ڈھیر ہوتے ہیں، دوسرے انکی ضخامت بھی کم ہوتی ہے،

امریکہ کی عورت کا اسراف دنیا کی تمام عورتیں اپنے اسباب آرائش میں فضول خرچی کے لئے بدنام ہیں، لیکن اس حیثیت سے نیویارک کی عورتیں سب سے آگے ہیں، چنانچہ امریکہ کے اخبارات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۲۷ء میں عورتوں اور لڑکیوں نے صرف کپڑوں پر (جواب اس قدر کم ہو گئے ہیں کہ انکی سرحد تقریباً عریانی سے جا کر مل گئی ہے) جو رقم صرف کی ہے وہ ۱۹۲۵ء کی رقم سے ۱۳۷۰۰۰۰۰۰ ڈالر یعنی تقریباً ۴۵ کروڑ روپیہ زیادہ ہے اور غریب مرد کو اسی اعتبار سے اپنے کپڑوں میں کمی کرنا پڑی اور اس کمی کی مقدار ۱۹۰۰۰۰۰ ڈالر ہے۔